

قرآن کے تحت خط پر ایک تاریخی نظر

تاریخ قرآن

افلاکات:

مولانا سید ماسٹر احسن گیلانی

مفت و مولانا محمد امجد علی رحیم شفیق

اساتذہ مشرف تحفہ فی الدرس
محکمہ اعلیٰ اسلامیہ جامعہ دارالافتاء



مکتبہ النجاشی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَأَن تَحْقُقُوا كَلِمَاتِي بِظَرْ

تَذْوِيقِ آيَاتِ

الْقُرْآنِ

مُؤَدِّعُ مَنَاطِقِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَكْتَبَةُ الْإِسْلَامِ

مولانا کے علم و فضل کے زمانہ شباب میں، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، انام غزالی، ابن ہنری و شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی وسعت معلومات اور تبحر علمی کی یہ دلائل و کردی ہے، اس میں مولانا کے بہت سے مضامین و مقالات کے علاوہ سب سے پہلی کتاب ”ہوذر غفاری“ جو کہ دیوبند سے شائع ہو کر مقبول عوام و خواص بنی، مولانا کی اس پہلی کتاب کو دیکھ کر جو غالب علانہ دور کی یادگار ہے، مولانا اشرف علی تھانوی نے یہ پیش گوئی فرمائی تھی کہ اس کتاب کا مولف ”سندہ چل رہا محقق ہوگا، اپنا نچہ ایسا ہی ہوا کرتا، حدیث، فتنی، سیاسی، معاشی علوم میں مولانا نے تحقیق کے وہ جوہر دکھائے ہیں کہ خود ان کے استاد مالی مقام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ بھی ان کے کمال کے معترف تھے، اس کے علاوہ آپ کی ”مکرمہ جوہر و مقبول ترین تعلیفات“ ”الکلام تعلیم و تربیت“، ”البدیع القیم“، ”المقیمی الخاتم“، ”تذکرہ مہین حدیث“ اور ”تذکرہ قرآن“، ”تذکرہ فقہ“ کے علاوہ بہت سے مسودات اب بھی مولانا کے خانہ ان میں محفوظ ہیں، جن کی صباغت، اشاعت و امت کی موجودہ دور کے اہل علم سے بطور خاص مطالبہ عمل کرتی ہے۔

مولانا کا جو سرمایہ علم و فضل ستمباہوں اور سزاگوں میں چھپ کر باہر آ چکا ہے یقیناً
 نئے مقدار میں اس سے بہت زیادہ اور معیار میں اس سے بلند تر فیروز و نجم مسوداتِ انہی کی
 شکل میں محفوظ ہے۔

جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ مولانا کی کوئی کتاب بھی باضابطہ تصدیقی پروگرام کے تحت انجام نہیں پائی ہو نہ وہ کسی نے کسی مصحفیت کی فرمائش کی، مولانا لکھتے بیٹھ گئے جب کچھ چکے تو وہ مضمون، مضمون نہ رہا بلکہ کتاب بن گئی، چند غچہ کی کتابیں مولانا کی اسی قبیل کی تصنیفات ہیں اس ضمن میں آج کے شاہکار احسان مولانا غلام محمد صاحب

(ایم۔ اے۔ عثمانیہ) مقالات احسانی کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں: ”مکحولانا کی لونی تحریر کاٹا، عہد پر مہربان و مربوط نہیں ملتی، عہد کا دور اس قدر زیادہ ہوتا تھا کہ متعلق اور غیر متعلق کا انتخاب ان کے لئے محال ہو جاتا تھا وہ چیزیں۔ سے قلمبندی فرماتے تھے اور قلم روکنے سے پہلے ان کو خود بھی اندازہ نہ ہوتا تھا کہ جو کچھ تصحیح رہا ہے وہ مضمون ہو جائے گا یا کتاب بن جائے گی اور ان کے مسودوں کی ترتیب و تدوین: نئے متعدد علیہ شانہ روں اور مقدمات مندوں کے پتہ نہ ہوتی تھی۔

اب زہر نظر کتاب کی طرف آئے! تدوین قرآن جو کہ مولانا کی یادگار تصنیف ہے جس میں آپ نے جامع القرآن کے متعلق مہم انسان کے یہاں جو غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اس غلط فہمی کا نزالہ کے لئے آپ نے نہایت خوش فہم انداز سے اسکی حقیقت بتلائی اور اس کا سد باب پیش کیا۔

اس کے علاوہ قرآن کی کتابت کس طرح ہوئی اور انکی ابتدائی حالت کیا تھی؟ دور قرآن کریم ابتدا میں کس چیز پر لکھا گیا اور لکھنے والے کون تھے؟ یہ سب سبھی بظہر سلی اندہ علیہ سلم خود انہی تھے۔ ان جیسے دیگر مضامین پر مولانا موسوف رحمہ اللہ نے ایک نہایت ہی آسان انداز میں یہ کتاب ”تدوین قرآن“ تحریر فرمائی۔ اور اسی کتاب کا جو ہری قلمداد آپ کے شاگرد رشید مولانا غلام محمد ربانی صاحب نے نکال کر ہر سہ سہ سہ لکھا تا کہ ہم اس کو پڑھ کر آئندہ آنے والے فقہان کا سد باب کر سکیں

”تدوین قرآن“ پہلی مرتبہ مدوۃ المصنفین دہلی سے چھپی تھی، دوسری بار مکتبہ اسحاق جونا مارےٹ کراچی سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ ہمارے پیش نظر یہی تخری طبع ہے طبع مذکورہ (۱۰۲) صفحات پر پچوٹی تصبیح کے ساتھ شائع کی گئی تھی۔

مرصعہ روز سے یہ کتاب مادِ کث میں دستیاب نہ تھی، ضرورت تھی کہ اسے سر بارہ شائع کیا جائے۔ طبع دوم میں بہت اغلاط تھے بغیر معلوم ہوتا ہے کہ طبع اول میں کچھ اغلاط رہ گئی تھیں۔ عبارتوں میں قطع و برید، مراجع کے جلد نمبر، اور صفحہ نمبر غلط، آیتوں کے حوالے میں بھی غلطیاں ہوئی تھیں، لہٰذا کتاب کا حوالہ رہ گیا ہے، اس طبع میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھا گیا ہے۔

- (۱) تمام آیات کے ساتھ سورت کا نام اور آیت نمبر درج کیا گیا ہے۔
- (۲) تمام احادیث کو اصل مرجع دماغہ میں تلاش کیا گیا اور ان کی تصحیح کی گئی اور کتابوں کا حوالہ بھی درست کیا گیا ہے اور جہاں تخریج کی ضرورت پیش آئی تو حاشیہ میں اسکی تخریج بھی کی گئی ہے۔

(۳) اس کے علاوہ جن کتابوں سے حضرت مصنفؒ نے عبارتیں پیش کی ہیں ان کو اصل مرجع میں تلاش کیا گیا اور ان کی تصحیح کی گئی۔

(۴) کتابوں کی طباعت مختلف ہوئی ہیں ایک ہی طبع کے مطابق جلد نمبر اور صفحہ نمبر لگائے گئے ہیں۔

(۵) اور صبح کی تعیین کے لئے کتاب کے آخر میں مراجع و مصادر کی فہرست پیش کی گئی ہے، جس میں کتاب کا نام، مصنف کا نام، سن وفات، طبع اور سن طباعت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

”تذوین قرآن“ کے مقدمے کے لئے حضرات استاذ محترم مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی صاحب مدظلہ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی استاذ محترم نے اپنے قیمتی اوقات میں سے وقت نکال کر مقدمہ لکھا اور اغلاط کی نشاندہی فرمائی لیکن استاذ محترم نے ”مکافہ

الإمام محمد بن الحسن الشیبانی فی الحدیث“ اور الشارح الفقہ والفقہ فی الاسلام“ کی تکمیل میں مصروفیت کی بنا پر الحج سے معذرت فرمائی اور یہ کام مولوی محمد اسد اللہ تخصص فی الحدیث جامعہ العلوم الاسلامیہ: نوری ناؤن کے سپرد فرمایا اور انہوں نے حسب ارشاد حج و عمرہ فرمائی۔

آخر میں اپنے اساتذہ کرام ”مولانا محمد انور بدخشان صاحب دامت برکاتہم“ اور ”مولانا ڈاکٹر محمد عبد العظیم ہشتی صاحب“ جنہوں نے اپنی مصروفیات اور مشغول کے باوجود تقریظ اور تفصیلی مقدمہ تحریر فرمایا (یہ ان کی محبت ہے) میں ان کا شکرم گزار ہوں، اور مولوی اسد اللہ صاحب کا بھی شکرم گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے قیمتی وقت کو اس کام کے سپرد کیا اور علمی جواہر کا انتخاب کیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ان اساتذہ کا سایہ مارے سروں پر تادیر سلامت رکھے۔ (آمین)

محمد عین

عرضِ ناشر

ایک مسلمان کیلئے اہم ترین ہستی کون ہے؟ یہ ایک سول ہے جس کا جواب ایک ہی ہو سکتا ہے، یعنی اس سلسلے میں دورائے کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ یہ بات طے ہے کہ ایک مسلمان کیسے اہم ترین ہستی اللہ تعالیٰ کی ہے جو خالق ہے، مالک ہے، پالنے والا ہے اور اسکے نارفتین کہہ گئے: "لا مَطلوبَ الا اللہ، لا مَقصودَ الا اللہ" یعنی اللہ کے علاوہ ہر را کوئی معنوب ہے ناقصود ہے۔ تو چونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اہم ترین ہستی ہے اس لئے اُس کا پیغام اور اس پیغام کو آنے والے پیغمبر بھی ہمارے لئے ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام "قرآن" کے روپ میں ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ جو دنیا و آخرت میں ہماری کامیابی، کامرانی اور سرفرازی کا ذریعہ ہے بشرطیکہ ہم اسکے حقوق ادا کریں۔

زیر نظر کتاب "تدوین قرآن" پڑھنے سے پہلے تو میں یہی سمجھتا تھا کہ قرآن کے ہم پر پانچ (۵) یا زیادہ سے زیادہ چھ (۶) حق ہیں، مگر یہ کتاب دیکھنے کے بعد میں یہ سمجھتا ہوں کہ بات اس سے ذرا آگے ہے۔ لیکن اگلی بات کرنے سے پہلے بجز معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بات یعنی قرآن کے بنیادی پانچ، چھ حقوق میان کر دیئے جائیں اور وہ مشہور و معروف

حقوق یہ ہیں کہ:

۱۔ قرآن پر ایمان لانا، اس کی بات پر صدقِ دل سے یقین کرنا۔

۲۔ قرآن کی تلاوت کرنا، مطالعہ کرنا۔

۳۔ قرآن کو سمجھنا، اس کا فہم حاصل کرنا۔

۴۔ قرآن پر عمل کرنا، اپنی زندگیوں اس کے مطابق ڈھالنا۔

۵۔ اسکی تعلیمات دوسروں تک پہنچانا۔

۶۔ اجتماعی طور پر اس کا عملی نفاذ کرنا۔

یہ تو تھے قرآن کے، و عمومی حقوق جو پہلے سے سنتے چلے آ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی ادائیگی کی توفیق دے تاکہ ہم اچھی زندگی گزاریں اور مبارک موت پائیں اور مزے کے بعد بھی خوشگوار زندگی گزار سکیں۔ (آمین)

اب آئیے اگلی بات کی طرف کہ یہ کتاب ”تذوین قرآن“ دیکھنے کے بعد یہ بات کھلی کہ قرآن کا دفاع اور قرآن کی حفاظت بھی، رافضی ہے اور قرآن کا حق ہے۔ اگرچہ قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھی ہے، لیکن اسی قرآن میں اللہ نے ہمیں یہ فرمایا ہے کہ ”ان تنصروا اللہ یمنصركم“ یعنی اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے بارہویں پارے کے شریع میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”وما من دابة فی الارض الا علی اللہ وذلہا“ یعنی زمین پر چلنے والا ایک بھی سر (یعنی ذی نفس) نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہر ایک کے رزق کا ذمہ دار ہے مگر دیکھئے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی جو نب جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ دینے نیل کے کنارے اگر ایک کتاب بھی بھوک کی وجہ

سے مر جائے تو مجھ سے انکی بچ چکی ہوں۔

”واللہ کا خلیفہ ہو۔“ فی انیت سے ہماری یہ ذرا داری فتنی ہے کہ جو امام اللہ نے
پئے ذئے لے رکھے ہیں ان کی سخیل کی کوشش حتی المقدور کریں۔ اور اللہ کا حقیقی خلیفہ فی
الارض ہونے کا ثبوت دیں۔

یہی دلائل تھیں جس کی بہت سے یہ کہے ”تہذیب وین“ ”ان لو اپنے دوا۔“ نے
ذریعے شائع کرنے کا خیال زور پڑ گیا، اور ان کے کہا کہ قرآن کی تہذیب و تہذیب میں
دورے ۱۵۰۰ میں نے اپنی عمریں کھیا دیں اور بہترین صلہ عیشیں اس اعلیٰ کام میں صرف
کر دیں۔ تو ہم ان کا تذکرہ ان کی ہمت و دور رس مہارت میں معاذ اللہ بن لڑ پڑی آخرت کا کچھ
سامان کریں۔

مذکورہ فی قبل فرمے ”مہر چھوٹے والے قدر و اپنی محکم کو ذریعہ سے زیادہ استفادہ کی
توفیق عطا فرمے۔“ (۱۰۰۰)

عبدالواحد قادری

آغا خانہ مہمکتبہ البخاری

غزوہ صریح مسجد کائنات کا حوالی

تہذیب

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمین	صفحہ نمبر
۱	حرف آواز	۳
۲	عرض، شمر	۸
۳	فہرست مضامین	۱۱
۴	آپ کا ازاد و آزادانہ اور بدقتی اسباب و ظلال لغوی	۱۲
۵	مقدمہ از مولانا محمد عبدالحکیم چشتی دامت برکاتہم	۱۶
۶	تہذیب: مولانا سید مظہر الحسن گیلانی	۳۳
۷	قرآن کا دہریہ سوالی کتابوں سے تعلق	۳۶
۸	قرآن کو خبیثہ آسمانی کتابوں کا مجموعی ایڈیشن ہے	۳۹
۹	کیا قرآن کسی کو اس کے بانی و مبدعوں میں سے جدا کرتا ہے؟	۴۱
۱۰	قرآن کی تہذیب و تمدن کا صدقہ نبیہا تیس	۴۴
۱۱	اندرون نبی شہادتیں	۴۷

۱۲. نا قابلِ اِکادہ رنجی حقیقت ۲۹
۱۳. قرآن میں نہ شے و نہ خود سے متعلق احکام ۵۳
۱۴. قرآن میں جاہلیت کے معنی ۵۴
۱۵. پیر و فی ثبہا تمی ۵۶
۱۶. تشریحی روایات ۵۸
۱۷. عہدِ مدینہ میں قرآنی خدمت کی صحیح نوعیت ۷۸
۱۸. عہدِ مکی میں قرآنی خدمت کی نوعیت ۸۳
۱۹. لب و جیوا و انتہا قبل عرب اور عربی و غیر عربی مسلمانوں میں ۸۳
۲۰. حضرت عثمانؓ نے کیا جامع القرآن تھا ۸۵
۲۱. ایک بڑے فتنہ کا سد باب ۸۹
۲۲. مفسحات ۹۱
۲۳. مخالفت ۹۳
۲۴. حدیث و تفسیر ۹۴
۲۵. رہنمائی روایت ۹۶
۲۶. ایک ذیلی بحث اور خاتمہ ۱۱۰
۲۷. نزولی ترتیب کا ایک تاریخی طریقہ ۱۱۷
۲۸. نزولی ترتیب پر قرآن کو مرتب کرنے کا نتیجہ کیا ہو گا؟ ۱۲۴

تقریظ

از اُستادِ حدیث مولانا محمد انور بدخشانی مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کریم چنان جاری، جی، برائی، مذہبی، علمی، دنیوی اور اخروی کتاب ہے، وہاں یہ سچھی تمام آسمانی کتابوں کی مُصدق، حوالہ اور ممکن بھی ہے، اس عظیم کتاب کی تدوین کا نظام لازمِ زوال ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے کیا، چونکہ یہ تفریق اور الہی کتاب بھی من لیے اللہ تعالیٰ نے خود اعلان فرمایا

﴿إِنَّا نَحْنُ نَوَاتِقُ الذِّكْرُ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (سورہ بقرہ، آیت ۹)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لیے مختلف طریقے بروکار کئے، ایک طرف صحابہ و اہل بیت کے دیگر افراد اس قانونِ ہدایت و اصولِ نجات بشری کو اپنے سینوں میں محفوظ کر کے لے کر دوسری طرف پیغمبر و خاتمِ دو کہ سورتوں اور آیتوں کو جمع کر کے پہلی و آخری شکل میں ترتیب دیں، تدوینِ قرآن کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر سب سے پہلی وحی (سورہ اقرآن) میں قرأت اور قلم کو ذکر کر کے اسی طرف اشارہ دیا کہ اس وحی (قرآن کریم) کی حفاظت کے لیے قرأت (پڑھنے) اور قلم (لکھنے) دونوں کی تیسرا ضرورت ہے۔

پھر ان آیہ سے پرزور انور فرمائیے:

۱۔ ﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ (سورۃ انفصاف)

(آیت ۲)

۲۔ ﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ بِزَكَاةٍ﴾ (سورۃ انعام، آیت ۵۵)

۳۔ ﴿وَالَّذِي لَكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ (سورۃ بقرہ، آیت ۲)

۴۔ ﴿وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ﴾ (سورۃ بقرہ، آیت ۲)

یہ تمام آیات اس وقت اُتیں جبکہ قرآن کتابی شکل میں نیجا مرتب ہو رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت آسمانی کتاب کے لیے کتابت اور تدوین ضروری تھی۔

—

دراب ان آیات کا بخوبی

۱۔ ﴿وَنُظُورٌ وَكِتَابٌ مُنْظُورٌ﴾ (سورۃ طور، آیت ۲۱)

۲۔ ﴿وَالْقَلَمُ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾ (سورۃ قلم، آیت ۱)

۳۔ ﴿إِنَّا عَلَيْنَا خُفَّةٌ وَقِفَّةٌ﴾ (سورۃ قیامہ، آیت ۵۱)

یہ تمام آیات اس طرف اشارہ دیتی ہیں کہ یہ آسمانی وحی جلد سے جلد جمع، تدوین، ترتیب اور ترتیب کا جوہر بن کر رہنے والا ہے جیسا کہ ایک کتاب کے لیے لازم ہے اور اس کی حفاظت اور بقا کی ضمانت بھی چیزیں ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کی تدوین، ترتیب و ترتیب تین مراحل میں پایہ تکمیل تک پہنچی۔ عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں۔

جیسے کہ اوپر ہے ابن سترشقیں اور مورخین نے اس بار بھی ملاحظہ فرمائیے، فی الواقع اور پیچیدہ کر دینا یہ ہے، مولانا سید مناظر احسن میاں نے درج ذیل

قرآن کے متعلق اس رسالے میں انتہائی عمدہ دلائل اور وجوہاتیں مہر و قلم کی ہیں، مولانا مرحوم کی یہ کوئی مستقل کتاب نہیں ہے بلکہ تدوین قرآن سے متعلق آپ کے مختلف مضامین ہیں جنہیں آپ کے شاگرد رشید نے یکجا کر لیا تھا، اس مضمون پر ”تدوین حدیث“ کی طرح آپ نے مستقل کتاب بھی تحریر فرمائی تھی لیکن انہوں نے کہ وہ شائع نہ ہو سکی، اور اس رسالے کو اس مستقل کتاب کا ”جوہر ہی خاصہ“ کہہ کر شائع کر دیا۔ ”یہ رسالہ صاحب رسالہ کی نظر میں آیا ہے۔“

”انشاء اللہ اس وقت آپ کو ان چند اوراق میں وہ سب کچھ مل جائے گا جو شاید بڑے سے بڑے کتب خانوں کے کتابی ذخیرہ میں بھی نہیں مل سکتا، اسی وقت اس چھوٹی مولیٰ محترمہ کتاب کی قیمت و قیمت کے صحیح انداز سے کاٹھوس کو موقع ملے گا اور وقت و وقت پر وہ ترقیاتی اوراق سے ہمراہ آئے گا جو شاید اس کے ساتھ اور نہیں نہیں مل سکتا، تقریباً بیس چالیس سال کے مسلسل فکر و نام، جھٹکاؤں و جستجوؤں کی آخری حقیقی نتائج اس کتاب میں درج ہیں۔“

درج بالا کلام بہ لفظ نہیں حقیقت ہے، مگر نظر سے ہی درج ہو گا۔ اسے میں بند کرنے کا واقعی مصداق ہے، اور رسالے کی عظمت نہ صرف یہ کہ ایک علمی ضرورت ہے بلکہ ایک اہم انسانی فریضہ بھی ہے۔

محمد انور بیرونانی

جامعہ علوم اسلامیہ

علامہ محمد یوسف بنودی نادان کراچی

۲۶-۳۶-۲۰۲۲ھ

مقدمہ

از مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم *

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا سید مناظر احسن گیلانی (۱) (۱۸۹۲-۱۹۵۶ء) نے "تذوین قرآن" کے موضوع کے روایتی ذخیرے پر جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کو دور کرنے کے لئے اردو زبان میں ایک متوسط و ضخیم کتاب لکھی تھی جو ان کے کم و بیش تیس چالیس برس کے مطالعہ و غور و فکر کا حاصل تھا۔ چنانچہ موصوف کا بیان ہے:

"تقریباً تیس چالیس سال کے مسلسل فکر و تامل و حوش و جستجو کے آخری تحقیقی نتیجے اس کتاب میں درج ہیں۔ جن لوگوں نے قرآن کے جمع و ترتیب کی مختلف روایتوں کا مطالعہ کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کتنے فاضل و غلط اور سچے و درجہ ہائیاء کے مطالعوں کے پہاڑوں کو کتنی آسانی کے ساتھ اُڑا دیا گیا ہے۔ شکوک و شبہات کے سارے ادلہ پر ردیے کئے ہیں اور ناجائز نفع و نقصان والوں کے لئے کوئی مجالش باقی نہیں چھوڑی گئی ہے۔" (۲)

- استاد شرف قسم انجمن فی علوم حدیث جامعہ علوم اسلامیہ ندوی ناؤن کراچی

(۱) مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے حالات و تصانیف کے متعلق "بزرگ سال پہلے" کے مقدمہ میں تحریر

(۲) تذوین قرآن ص ۳۴

لکھ چکے ہیں۔

کتاب چنانکہ متوسط و ضخیم تھی ان کے ساتھ درشت و درختی مولوی غلام ربانی (ایم۔ اے عثمانیہ) نے اسے پڑھا اور اس کا خلاصہ تیار کیا مولانا کو دکھایا، انہیں پسند آیا، چنانچہ مولانا میراثی نے جو اس پر پیش نظر لکھا ہے اس میں موصوف کی اس کامیاب و شش کوسراہا ہے، اور ان کے استنباط نتائج، اسلوب، بزم اور دل نشیں تعبیری تعریف کی ہے اور اپنی مختصر تالیف کا اسے "جوہری خلاصہ" قرار دیا اور پھر اپنی اصل تالیف کی اشاعت سے ہاتھ اٹھایا، چنانچہ خود فرماتے ہیں:

"حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ خاکسار کے رفیق محترم مولوی غلام ربانی ایم اے (عثمانیہ) نے اس فقیر پر اپنا فقیر کی جگہ بیکاریوں اور دماغ سوزیوں کے ان نتائج کو بڑے پاکیزہ اسلوب اور دل نشیں تعبیر میں اس کتاب کے اندر جمع کر دیا ہے۔ اگرچہ فقیر نے خود بھی اس عنوان پر مستقل کتاب لکھی ہے، لیکن جہاں تک میرا خیال ہے میری کتاب کے اس "جوہری خلاصہ" کے شائع ہو جانے کے بعد اب اصل کتاب کی اشاعت کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی ہے، کیونکہ اس ضخیم و متوسط کتاب کے اکثر جوہری حقائق، اصولی مستحکات، یا مختصر کتاب میں محفوظ ہو گئے ہیں، حق تعالیٰ مولوی غلام ربانی کی اس محنت کا صلہ دینے اور دنیا میں عطا کرے۔" (۱)

موصوف کے مذکورہ بیان سے ہمارے اس خیال کی مزید تائید ہوتی ہے کہ مولانا مناظر احسن گیلانی، اپنی تصنیف میں ابھرے ابھر نکل جاتے ہیں اور عنوان و موضوع کے پابند نہیں رہتے ہیں، ان کے علم کی وسعت و بینائی اور قلم کی جوانی موضوع و عنوان کی پابندی کو گوارا نہیں کرتی۔

مولانا مظہر احسن کینڈی نے "تذوین قرآن" میں ۳۴۰ پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (الثوبی ۳۳۷) کے متعلق حاشیہ میں مؤرخ اسلام علامہ شمس الدین ابن ابی شیبہ (الثوبی ۲۸) کی کتاب "تذکرۃ الحفاظ" کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے۔

"ان سے اندازہ کیجئے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، جو علامہ ابن ابی شیبہ کے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مبارک پر بیعت کی۔ حدیث ان کو حاصل ہوئی تو انہوں نے عرض کیا کہ "قرآن" کے ساتھ "تورات" کی صداقت بھی جاری رکھوں! آپ نے فرمایا: "قرأ هذا البیت وابدأ البیت" (یعنی: ایک رات قرآن پڑھنا شروع کر اور ایک رات تورات۔۔) (تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۹)

طبقات ابن سعد میں بھی ابوالجہلہ الجہلی کے نام کرے میں لکھا ہے کہ سات دن میں قرآن پڑھ دو چھ دن میں تورات تم کرنے کا عام دستور اپنے سے انہوں نے مقرر کیا تھا اور ختم نے دن پانچویں کرتے تھے کراں دن رات نازل ہوتی ہے۔

(ابن سعد، ج ۱، ص ۱۶۱)

یہ واقعہ بھی یہی ہے کہ قرآن کی صحیح راہ نمائی میں اس قسم کی کتابوں کے پڑھنے سے جہاں تک میراث الہی تجربہ ہے خود قرآن کے سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ (۱)
تذوین حدیث میں بھی مولانا گیلانی نے ان دو واقعات کو نقل کر کے اس خیال کا اظہار فرمایا ہے اور اپنی اس تحقیق پر سہرا فرمایا ہے۔ (۲)

ابن مسعودؓ نے مظہر احسن کینڈی کے شمارہ "عربیائی" نے "بلی سرتی" قرآن شریف آسمانی کتابوں کا آخری پبلیشن ہے" کے تحت جو عبارت لکھی ہے:

(۱) تذوین قرآن، ص ۳۹

(۲) ملاحظہ: تذوین عربی، ص ۳۳۸، ۳۳۹، دو ایڈیشن، ص ۳۱۱، عربی ایڈیشن

”بقول حضرت ، سزا ایسی ہے کہ آپ کو پندرہویں اگر تب نہ نہ سے نکالیں تو چند
 اے والوں کی وجہ سے کیا وہی ایک کتاب بھی چند ہو جائے گی۔ چھینا کسی مصنف کی کتاب
 کے چند ایڈیشن دیکھ کر یہ فیصلہ مستحکم ہوگا کہ مصنف کی یہ ایک کتاب نہیں بلکہ چند
 کتابیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن تمہارا آسمانی کتابوں کے ساتھ اپنی اسی نسبت کا مدعی
 ہے اپنی پختگی ساری آسمانی کتابوں کا اپنے آپ کو و آخری اور مکمل ترین ایڈیشن قرار دیتا
 ہے اور قوموں کے پاس اس کتاب کے جو پرانے مشہور اور مشہوک یا ناقص و غیر مکمل نسخے وہ
 کے میرا بنانے متعلق اس کا صرف یہ مطالب ہے کہ اس جدید ترین اور کامل ایڈیشن سے
 متاثر کر کے قومیں اپنی اور وہی کتابوں کی تصحیح کریں، یہی اور صرف یہی ایک مطالبہ قرآن
 نے دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کیا ہے۔ ظاہر ہے اس مطالبہ کا مطلب کسی حیثیت اور کسی
 غایت سے بھی یہ نہیں ہے کہ دنیا کی قوموں کے پاس آسمانی دین اور مذہب اپنے آباء و اجداد
 سے جو پکا پناہ اس دین سے اور اس دین کا کتاب جن بزرگوں کی طرف سے ان بزرگوں
 سے بے تعلق ہو کر قرآن کو باطل یہ ایک جدید دین اور مذہب کی کتاب کی حیثیت سے مانا جائے
 یقیناً قرآن ہی کا یہ مطالبہ ہے اور نہ قرآن کے نئے دانوں کی طرف سے یہ دعوت دنیا کے
 سامنے بھی پیش ہوئی۔“ (۱)

یعنی وہ شیعہ و دوسرا محال نظر ہے۔

اس لئے کہ اس کتاب صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنی ہی ورسل بھیجے گئے اور کتابیں
 اتاری گئی ہیں ان کی کتابیں اور شریعت بھی ایک محدود زمانے تک قابل نہیں تھی اس لئے کیے
 گئے مگر اس کتاب میں بھی تاریخی حدیثیں اور نبی اور رسول بھی بھیجے جاتے رہے اور مابعدہ

میں منسوب ہوئیں رہیں۔ انا اللہ وحوالی اللہ سلیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی اور آخری کتاب دیکر بھیج کر اور دین و شریعت کی تکمیل کر دی گئی۔ قرآن نے کہا ہے:

”اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَسَمْتُ غَیْکُمْ بَغْیٰ وَ زَہِیْتُ لَکُمْ لِاِسْلَاحِ دِیْنِکُمْ۔“ (۱)

ترجمہ: ”(وہ) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی غصتیں تم پر چھڑی کر دی اور تمہارے لئے اسامہ نو دین پسند لیا۔“ (۲)

لہذا اس بات پر شریعتیں اور کتاب سب قابل اعتبار نہیں رہیں اس لئے کہ ان کی حفاظت ان آدمی کی ذمہ داری تھی۔ قرآن نے لیا

”اِنَّا اَنْزَلْنَا الْقُرْآنَ فِیْہَا هُدًی وَ نُوْرٌ یُّبْحِکُمْ بِہَا السُّبُوْنَ الدِّیْنِ اَسْمِعُوا الْمُنٰیقِیْنَ هَادُوا ذِی الْوُثُوْیْنَ وَ الْاٰخِرَ بِمَا اَنْتُمْ حٰفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ وَ کُنُوْا عَلَیْہِ شٰہِدًا فَلَا تَحْضُوْا النَّاسَ وَ اَخْسُوْا وَلَا تَسُوْا بِاٰیٰتِیْ شَیْءًا قَلِیْلًا وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاولٰئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ۔“ (۳)

ترجمہ: ”یہ ایک ہمہ گیر ہے تو رت نازل فرمائی جس میں ہر اہمیت اور شہنی ہے۔ اسی کے مطابق نبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو انہم و پست رہے ہیں اور مشرک اور علماء بھی یہ کہہ دو کہ اب تمہارے لگا ہوا منبر رکھنے لگے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی تمہاری ان یقین رکھتے تھے) تو تم لوگوں سے مت ڈرو اور تمہی سے ڈرتے رہنا

(۱) سورہ مائدہ: ۳

(۲) ترجمہ محمد بن عبدہری

(۳) سورہ مائدہ: ۴۴

اور میری آنکھوں کے ہر آنسو کی قیمت نہ لینا اور جو خدا کے بے زلی فرمانے ہوئے

احکام نے مطابق غم زدہ ہونے کو ایسے ہی لوگ کا فریضہ (۱)

سابقہ احادیث نے اس میں غلطی تحریر نہیں کی اور معنی بھی بدلے نہ، اپنی اس روش میں اور نہ اصل بصورت میں غلط روئیں، وہ سب ایک ذمے کے لئے اتاری گئی تھیں، قرآن آسمانی کتابوں میں آخری کتاب ہے جو تشریف نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی تھی آخری نبی۔ تھیں نبی، پتہ کی اور ان کا تعلق قرآن بھی دینی ہے۔ اس کتاب کی موجودگی میں نہ کسی کتب مرعوبہ اول آسمانی کتاب کی تلاوت کی اجازت ہے نہ اس پر غصہ کرنا جو نہ ہے نہ اس کے پڑھنے پر اچھا جواب سے گانہ بڑھات ہو سکتی ہے۔

جامعہ تقابلی مطالعہ کی اجازت ہے۔

۱۱۰۰ منظر الحسن عریفی نے جس روایت سے جوازی تلاش کیا ہے وہ بھی

درست نہیں، حافظ شمس مدین دہلوی (المتوفی ۱۰۷۷ھ) نے اصل عبارت پر ہے

“إبراهيم بن أبي يحيى نا محمد بن عبد الرحمن بن يوسف بن عبد الله بن سلام عن أبيه أنه جاء إلى أبي بصير عليه السلام فقال: لي قرأت القرآن في ثوراة فقال: اقرأ هذه الليلة وهذه الليلة فهذا إن صح لقيه الرخصة في تكرير التوراة وتكررها.” (٢)

ترجمہ: "ابراہیم بن ابی یحییٰ کا بیان ہے کہ ہم نے معاذ بن عبد الرحمن سے بیان کیا، انہوں نے یوسف بن عبد القدیس سے، اس سے انہوں نے اپنے والد عبد اللہ بن سلام سے نقل کیا ہے کہ وہ سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یاسرؓ کے اور عرض کیا: اے

میں نے قرآن اور تورات دونوں پڑھی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک رات قرآن پڑھا کرو اور ایک رات تورات۔

نہایت اچھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت درست ہے تو ہمیں تورات کو باری باری پڑھنے اور سیکھنے خود فرما کر مجاہدگی کرنا چاہیے۔

تقریباً قس الدین ذہبی "سیر اعلام النبلاء" میں مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں

"اسنادہ ضعیف فان صحیح - ففیہ وخصة فی الشکر او شلی
التوراة النبی لم یبدل ، فاما ابوم فلار حصة فی ذلک الجواز التبدیل
عنی جمیع نسخ التوراة النور حودة ، و نحن نعظم التوراة النبی أنزلها
الله علی موسی علیه السلام ، ونؤمن بها ، فاما هذه النسخة النبی
بایدی هؤلاء الضلال فماتت فی ماھی 'صلاً ونقف ، فلانما علیها بتعظیم
ولا باصانة ، بل مفسول : أما بائنه وملاکته وکتابه ورسوله وکتب فی
ذلک الايمان المجمل والله الحمد : (۱)

ترجمہ: "اس روایت کی سند ضعیف ہے اگر صحیح بھی، لیکن جائے تو اس سے وہ
تورات مراد ہوگی جس میں تبدیلی و تخریف نہ ہوئی ہو اور ان کی کتاب کی تورات تو ہمیشہ یہ
رہے گی جس سے کوئی نہ جوہر و تورات کے تمام نسخوں میں تخریف کا امکان ہے۔ پس
ہم اس تورات کی تعظیم کرتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی ہے اور اسی
پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی کتاب جو صحیفے بن کر لوگوں کے پاس ہیں، ہمیں مطلوب نہیں

کہ یہ اصل ہے یا نہیں ہی میں ہم قوتف کرتے ہیں، اللہ اسی تعظیم کرتے ہیں اور نہ تو ہیں، بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ ہم اللہ اور اللہ کے فرشتوں اور تائبوں اور رسول پر ایمان لا۔ تم ہیں، اور اس پر نہ میں جو رہے گئے ایمان محض ہی کافی ہے، سب قرعیں اللہ کیسے ہیں۔“

نیز علامہ حافظ دہلوی نے ”سیر اتمام الایمان“ (۱) میں معرفت عبد اللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہما کے حالات میں اس امر پر مزید روشنی ڈالی ہے، وہ یہاں فرمیں ہے

”ولا یسرع لاحد بعد نزول القرآن ان یقرأ التوراة ولا ان یحفظها لکن بہا مبدلة محرقة منسوخة لعل، فداخلت فیہا الحق بالبطل، فميجنب فاما النظر فیہا للاعتبار وللمرد علی الجہود، فلا یاسر بذلک للرجل العالم قلیلاً، ولا عراض اولی، فاما ما روی عن ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذن لعبد اللہ ان یقوم بالتقرآن لیلۃ وبالنسوانۃ لیسۃ فکذب موضوع فتح اللہ من افتراء، وقیل لعل عبد اللہ ہذا هو ابن سلام ولیل، لکن فی انتقام بہا ہی یکرر علی المناضی لأن یقرأ فی لیلہ۔“

ترجمہ ”قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد نہ کسی کے لئے تورات کا پڑھنا جائز رہا اور نہ اس کو حفظ کرنا کیونکہ اس میں رد و بدل اور تحریف ہوئی ہے اور اس پر عمل منسوخ ہے اس میں حق و باطل کا خطا سم ہے لہذا اس سے بچا جائے۔ اس تورات کا مطالعہ کرنا اس لئے تاکہ اس کے ذریعہ یہود کے ساتھ بحث و مناظرہ اور مذاکرہ پر رونا

آساں ہو تو عالم کے لئے اس میں تھوڑی بہت گنجائش ہے، در بہتر یہ ہے کہ صرف نظر کرتے۔ اور وہ روایت جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ کو ایک رات قرآن پڑھنے اور ایک رات تورات پڑھنے کی اجازت دی ہے تو وہ مبسوط اور جھوٹ ہے۔ اللہ نہ کرے جس نے اس کو گھڑا ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد عبداللہ بن سلام ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت غوراً فکر (تفاتیلاً) کرنے کی ہے نہ کہ تہجد میں اسکی تلاوت کرنے کی۔

میر علامہ حافظ نور ندین تٹنی (التوفی ۱۸۷۷ء) ”جمع الترمذی“ میں مذکورہ روایت یوں نقل کرتے ہیں:

”عسی عبد اللہ بن سلام قال: قلت: یا رسول اللہ قد قرأت القرآن والتورۃ والانجیل قال: اقرأ بهذا البیت وهذا البیت“

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے قرآن اور تورات اور انجیل پڑھی ہیں۔ آپ نے فرمایا: کہ ایک رات قرآن پڑھا کرو اور ایک رات تورات اور انجیل۔“

اسکے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ من لم یعرفہ عناب بن

ابراہیم وغیرہ۔“ (۱)

ترجمہ: ”اس روایت کو طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے اور اسکی عناب بن ابراہیم وغیرہ راویوں کو میں نہیں جانتا۔ (یعنی جھوٹ ہیں)

مذکورہ بالا روایت متصل سند کے ساتھ حامد حافظ ابو نعیم اصفہانی (انتونی
۳۳۰ھ) نے کتاب ”ذکر اخبار اصحاب“ (۱) میں اپنی حسب ذیل سند سے نقل کی ہے:

”حدثنا أبي نعيم محمد بن أحمد بن يزيد ثنا أحمد بن محمد بن الحسين، حدثني حذی الحسن بن حفص ثنا إبراهيم بن محمد بن أبي يحيى المصنفی ثنا معاذ بن عبد الرحمن عن يوسف بن عبد الله بن سلام عن أبيه أنه جاء أبي النبی صلی الله علیه وسلم فقال: انی قرات القرآن والتوراة فقال: اقر أبهذه ليلة وبهذه ليلة.“

ترجمہ: ”ابو نعیم کا بیان ہے کہ آپ سے میرے والد عبد اللہ بن أحمد نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ میرے محمد بن أحمد بن یزید نے بیان کیا ان سے احمد بن محمد بن اکیمین نے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے دادا حسین بن حفص نے بیان کیا ان سے معاذ بن عبد الرحمن نے، انہوں نے یوسف بن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے اپنے والد عبد اللہ بن سلام سے...“

علامہ ابن عساکر نے بھی اس واقعہ کو ”تاریخ دمشق“ میں ابو نعیم کی سند سے ذکر کیا ہے۔ (۲)

(۱) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فقہ دھمی کو اس روایت کی محنت میں ہی شک

ہے۔

(۱) ج ۲: ۸۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت ۱۹۷۱ء

(۲) ماہنامہ محمدیہ، ۲۲ رجب دمشق، ج ۷، ص ۲۵۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۷۱ء

(۲) پھر اس کا راوی 'ابراہیم بن ابی خنیز' معتبر اور ثقہ نہیں، جہاں اور کذاب ہے۔ (۳)

(۳) نیز یہ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں قرآن : 'کیونکہ انہی کا اظہار فرمایا تھا۔ وہ روایت یہ ہے :

"وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَسْخَةٍ مِنَ التَّوْرَةِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! هَذِهِ نَسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَةِ، فَكَيْتَ فَيَجْعَلُ بَعْضُ أَرْوَاحِهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَبَّرُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: تَكَلَّمَ التَّوَكُّلُ مَا تَرَى مَا يَرْجُو رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَظَرَّ عُمَرُ إِلَى رَجُلٍ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ وَمِنْ أَنْ يَأْتِيَ بِدَاوُدَ بِالْإِسْلَامِ دِينًا وَيُحَمَّدَ نَبِيًّا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ دَا لَكُمْ مُوسَى فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ، وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَأَذْرَكْتُ نَوْتِي لَا تَعْمَى." (۴)

(۱) مزید ملاحظہ فرمائیں۔ تخریب المذہب، ج ۱، ص ۵۷ مع تبیین حقین ظہلین مآدوں شیخ طبع دار المعرفۃ، بیروت لبنان، طبع ۱۴۲۲ھ

(۲) ردود الداعی، مشکوٰۃ بصری، المرقاۃ لملا علی القاری، ج ۱، ص ۳۹، طبع طائیف، بیروت، لبنان، طبع ۱۴۱۹ھ
کتاب الداعی، ج ۳، ص ۱۹۱، طبع دار الفکر، بیروت، طبع اول ۱۴۱۹ھ

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرأت کا ایک نسخہ لیکر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ قرأت کا نسخہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پڑھنا شروع کیا اور (غصہ کی وجہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متلیج ہو رہا تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! تیار رہ! اس ہو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر غصہ کے آثار چھپیں دکھائی نہیں دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی طرف دیکھ کر کہا: میں اللہ اور اس کے رسول کے منہ سے اللہ کی بناء چاہتا ہوں۔ ہم اللہ ورسول ماننے پر اور اسام کو دین تسلیم کرنے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے پر راضی و خوش ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ذات کی تصریح کے جتنے میں میری جان ہے! اگر حضرت موسیٰ خلیہ السلام تشریف لائے اور تم ان کی اتباع کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم یہی راہ سے ہٹک جاؤ گے، اور اگر حضرت موسیٰ خلیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت کا انہ سے پاتے تو میری اتباع کرتے۔“

ذکورہ بالا حدیث سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ (مقابلہ مطاہد کے علاوہ) ان کہہ جوں کا پڑھنا درست ہی نہیں اسلئے کہ یہ سب اب منسوخ ہیں، اسلئے کہ تاریخ کی موجودگی میں منسوخ کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہتی۔

ملاحظہ احسن علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ ذکر و تہلیل کے بارے میں تدوین حدیث میں فرماتے ہیں:

”باقی طبعانی وغیرہ کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کے متعلق جو یہ روایت منسوب کی گئی

ہے کہ وہ قرات کا ایک مجموعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے اور عرض کرنے لگے کہ نبی زریق میرے مجھے اپنے ایک بھائی سے یہ مجموعہ ملا ہے، تجھے جس کہ اس حال کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غمناک ہو گیا، حضرت عمرؓ کو جب اس کا احساس ہوا تو معافی مانگنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر اس وقت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ رہتے تو بجز میری بیروی کے اس کے لئے بھی کوئی تہنیت نہ ہوتی۔“

صحیح الفوائد میں اس روایت کو نقل کر کے لکھ ہے کہ اس کی سند میں ”ابو عامر قاسم بن محمد اناسدنی“ ایک شخص ہے دراصل یہ مجاہد راوی ہے اس لئے روایت خود بھی مشتبہ ہے نیز یہ ممکن ہے کہ اس یہودی کو بھائی قرار دینے پر غتاب کیا گیا ہو نیز اور بھی اسباب اس کے ہونے میں۔ بہر حال یہ جانتے ہوئے قورات کا نسخہ بہت کچھ خرف ہو چکا ہے پھر قرآن پڑھنے والے کو اسی خرف قورات کی تلاوت کی جوابدہت دی گئی تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ محرف قورات کا صحیح تو اسکے پاس موجود ہی تھا یعنی قرآن اور قرآن کو صحیح بنا کر جو بھی قورات پڑھے گا کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ گمراہی میں مبتلا ہو بلکہ یہ خرف تہذیب حاصل کرے گا۔“

(تذوین حدیث ج ۱، ۲۳۹، اردو ایڈیشن، مکتبہ اسلامیہ کراچی)

تذویرانا گمراہی کا یہ نیا کہ ”اسکی سند میں“ ابو عامر قاسم بن محمد! ”سدی“ ایک شخص ہے، اصل یہ مجاہد راوی ہے اس لئے روایت خود بھی مشتبہ ہے، یہ حقیقت چمکی ہے لیکن وہ مانے اس یہودی پر فوری نہیں فرمایا کہ حدیث کے اور بھی خرف ہونکتے ہیں۔

چنانچہ طبرانی کی سند میں مجاہد راوی ہے لیکن وہ راوی کی روایت جو ہم نے نقل کی ہے اس میں کوئی راوی مہول نہیں۔ دومی کی سند ملاحظہ ہو:

”أحبنا محمد بن العلاء، ثنا ابن سير عن محاذ، عن

ہامر۔ عن جابر أن عمر بن الخطاب؟ ... الحج

فتح البیان شرح راوی میں اس سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

”واما اذا أثر على شرط الصحيح غير مجالد وقد أخرجه له مسلم في المتابعات والشواهد فالحديث صحيح لغيره، ومما يدل على قوة اسناده صحيح الامام البخاري رحمه الله، حيث يوجب له في الاعتصام من الصحيح. فقال: باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا تسألوا أهل الكتاب عن شيء.“

قال الحافظ: هذه الترجمة نعت حديث أخرجه أحمد والبخاري من حديث جابر... وذكره ثم قال: ورحاله مؤثفون إلا أن مجالد ضعيفا، واستعمله في الترجمة نور دما يشهد بصحة من الحديث الصحيح.

ترجمہ: ”اس حدیث کی سند صحیح کے درجے کی ہے مجالد کے علاوہ (سکے تمام راوی صحیحین کے ہیں) امام مسلم نے مجالد کی حدیث متابعات اور شواہد میں ذکر کی ہے اس بناء پر یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے، امام بخاری نے صحیح بخاری میں کتاب الاعتصام میں جو باب باندھا ہے ”باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لا تسألوا أهل الكتاب عن شيء“ امام بخاری کے اس طریق بیان سے بھی اس حدیث کی سند کو تقویت ملتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر اس باب کے تحت شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”یہ اس حدیث کا کلام ہے جس کو یزید اور امام احمد نے روایت کیا ہے“ اور حضرت جابرؓ کی پورن حدیث ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں ”کو اس سند کے

راوی تہ تقدیریں۔ اسے مجالہ کہے۔ وہ ضعیف ہے، اور امام بخاری نے اسے الباب ثانی میں رد کیا ہے۔ اسے چارے میں اس حدیث کے اسرۃ نہیں بھیجے۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث صحیح کے درجے کو پہنچا کر ہے۔^۱

اس کے بعد صاحب فتح النعمان نے سند احمد، سند بزار، مصنف ابن ابی حنیفہ، جامع بین الاہم، المستدرک، المستدرک، جامع ترمذی، جامع معجم، جامع ابن ابی شیبہ، شعب الایمان، جامع التذوق، افراد، اقوال، جامع مساند میں تین (۳) احادیث بطور شہ تھیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتح النعمان، ص ۲، ۱۵۰، ۱۵۱)

مذکورہ بالا دونوں حدیثیں خبر آج ہیں، دونوں میں تخریج سے پہلے حدیث مند کے اقوال سے شکم فی ہے، جس کے راوی پر جرح ہے۔ اور وہ نہ سند اور متنی کے اعتبار سے درست ہے۔ نہ اس کے دلائل مزینہ و قویہ ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث کے تخریج کی صداقت کی تائید میں ایک سبب اہل ائمہ یہ نقل کیا ہے جو حدیث ہے، خیرین ہے۔

”قال جرما سلیمان من حرب قال: حدثنا حماد بن زید عن ميمونة بنت أبي الجند قتل: كان ابي يقرأ القرآن في كل سبعة ايام ويختم القراءة في سنة يفررها عن نظر اناذا كان يوم يختبئ حشد لدنك ناس. وكان يقول: كان يقاتل سبعين عمدا حنمهم
الرحمة“ (۱)

۱) فتح النعمان، ص ۲، ۱۵۰، ۱۵۱ (۱) تذوین فن، ص ۳۰

[illegible]

(۱) قومی مسائل اور فقیرانہ امور۔

(۲) اور یہاں کا اظہار فوقیٰ ہے۔

۱۳۔ ان شان چھوٹا آدمی آجائے تھے انھیں بھی جو ہے۔ مہا اور فیروز کی شہزاد

Figure 1

(۴) چانک کیتی رائے "اپنی ذیل ہے۔

(۵) خانہ سازی یا قلعہ

موتنا یا مائی نے اپنے جس تجربہ کو انکار کیا ہے نہ اس قسم کی کتابوں کے پڑھنے سے جہاں تک میرا ذاتی تجربہ ہے تو ہر آن کے سمجھنے میں آتی رہتی ہے۔ (۲) تو یہ کتابی حکمت اعلیٰ بات ہے اس کا کوئی ٹکڑا نہیں روک سکتا نہ اس کی ضرورت لی جائے اور اس سے دھمک اڑتی ہے۔ اس کا کوئی ٹکڑا نہیں

یہ کہہ کر اس نے "جوہرِ خلاصہ" لکھنا شروع کیا۔ لیکن اس نے اس کے لئے اس میں مددگار بننے سے انکار کر دیا۔

۱۰۰۔ یہ باتی کی باتیں دوسری بار بھی ہیں جس سے محققین کو اتفاق نہیں۔ مجھے

درود بعت ذاکر بقرآن و ادھر وہی۔

”تذوین قرآن“ کا یہ ”جوہری خلاصہ“ جو پاکستان کراچی میں آج سے ۱۹ سال قبل شائع ہوا تھا مولوی محمد امین بن صابر حسین (اللہ انہیں خوش رکھے) اسے از سر نو شائع کر رہے ہیں۔ ان کی یہ سی لائق تحسین اور قابل مبارک بار ہے۔ اُمید ہے کہ طلبہ اور اہل ذوق اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

محمد عبدالکلیم چشتی

۱۳۲۶/۵/۲۰ھ

۲۸/۶/۲۰۰۵ء

تمہید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَمْسِكْ لَهُ وَكُفَى وَالصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ عَلَى عِبَادِهِ

الذین اصطفیٰ

ابا بعد وقت پڑنے سے پہلے بعض کتابوں کی صحیح قدر و قیمت کا لوگوں کو اندازہ نہیں ہوتا، لیکن ضرورت جب پیش آ جاتی ہے تو دنیا بڑی بے کسی کے ساتھ اس وقت ان کتابوں کو دھوٹتی ہے۔

تقریباً کچھ یہی حال اس ”کتابچہ“ یا ”مقالہ“ کا بھی ہے، پیغمبروں کے خاتم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس حال میں دنیا نو مسلم انسان کے آسمانی دستور اور الہی قانون کی آخری شکل یعنی قرآن مجید کو دنیا میں پھوڑ کر تشریف لے گئے، حسن و عین ہو، ہر مروت و عقائد کے پیغمبر یہ ”خدا کی صحیفہ“ آج بھی دنیا میں موجود ہے خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں ہی کا یہ مسلمہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ غیر اسلامی دائروں کی بھی یہ ایک جانی پہچانی مانی ہوئی بات ہے اسی لیے قرآنی آیات و سور کے جمع و ترتیب کی سرگزشت کی تلاش کی عام طور پر ضرورت سمجھی نہیں جاتی مگر خدا نخواستہ بداندیشی سے کام لینے کی بدعت و جرات اگر کبھی کی گئی تو مسلمانوں ہی

کی کتابوں میں بعض ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جن سے بداندیشی کی اس مہم میں شاید ناجائز قطعہ اٹھاتے ہوئے عوام کو مغالطوں کا شکار بنایا جاسکتا ہے۔

دل تو یہی چاہتا ہے کہ بداندیشی کا یہ جذبہ کبھی نہ ابھرے لیکن شیطان نے اس سوال کو اگر جمیع رد و انشاء اللہ تعالیٰ اس وقت آپ کو ان چند اوراق میں وہ سب کچھ مل جائے گا جو شاید بڑے سے بڑے کتب خانوں کے کتابی ذخیروں میں بھی نہیں مل سکتا، اسی وقت اس چھوٹی موٹی مختصری کتاب کی وقعت و قیمت کے صحیح اندازہ کا لوگوں کو موقع ملے گا اور وقت پر وہ تریاق انہی اوراق سے میسر آئے گا جو شاید اس کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا۔

تقریباً تیس چالیس سال کے مسلسل فکر و تامل، تلاش و جستجو کے آخری تحقیقی نتائج اس کتاب میں درج ہیں۔ جن لوگوں نے قرآن کے جمع و ترتیب کی متعلقہ روایتوں کا مطالعہ کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کتنے فاحش اغلاط اور پیچ و رہا پائی مغالطوں کے پھاڑوں کو کتنی آسانی کے ساتھ اُڑا دیا گیا ہے۔ شکوک و شبہات کے سارے بادل پھاڑ دیئے گئے ہیں اور ناجائز قطع اغلانے والوں کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی گئی ہے۔

حق تعالیٰ کا اکھ لاکھ شکر ہے کہ خاسارہ کے رفیق محترم مولوی غلام ربانی ایم: ے (عناویہ) نے اس فقیر سرِ پائے تعمیر کی جبر کا دیوں اور دماغ سوزیوں کے ان نتائج کو بڑے پاکیزہ و اسلوب اور دل نشیں تغیر میں اس کتاب کے اندر جمع کر دیا ہے۔ اگرچہ فقیر نے خود بھی اس عنوان پر مستقل کتاب لکھی ہے، لیکن جہاں تک میرا خیال ہے میری کتاب کے اس ”جوہری خلاصہ“ کے شائع ہو جانے کے بعد اب اصل کتاب کی اشاعت کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی ہے، کیونکہ اس ضخیم و ہموغ کتاب کے اکثر جوہری حقائق، اصولی مشتملات اس مختصر کتاب میں محفوظ ہو گئے ہیں، حق تعالیٰ مولوی غلام ربانی کی اس محنت کا

صلہ دین، وردِ نپ میں عطا کرے، اسلام پر نازک ترین وقت کا خضر، سامنے آ گیا ہے، دوسری چیز وہ ہے کہ اس نازک ترین گھڑی میں یہ مختصر رسالہ بھی نثراً اللہ کا فی کار آمد ہے، بت ہوگا، کم از کم اسلام کی اساسی کتاب جس پر اس دین کی "بنیاد" قائم ہے اس پر تو شک و شبہ کی گڑوا چھالنے میں انشاء اللہ تعالیٰ اب کوئی جدائش کامیاب نہیں ہو سکتا۔

"وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَيَهْدِي السَّبِيلَ"

کتبہ: سناظر احسن گیلانی (گیلان) بہار

۱۵ ستمبر ۱۹۵۰ء

قرآن کا دوسری آسمانی کتابوں سے تعلق:

تاریخی طور پر اس کا متعین کرنا دشوار ہے۔ ناممکن ہے کہ نسل انسانی کو پہلی کتاب خدا کی طرف سے کون سی، کہاں، اور کب ملی۔ قرآن کا اجمالی بیان یہ ہے کہ ہر امت میں نذیر اور خدا کے نمائندے آسمانی ہدایت کی تعلیم کے لیے آتے رہے اور جس طرح توہم انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی وحی ہوئی اسی طرح ان سے پہلے نوح علیہ السلام اور ان کے بعد انبیاء علیہم السلام پر ہوتی رہی۔ ارشاد باری ہے:-

”إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَلِمًا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ.“ (النساء: ۱۶۳)

ترجمہ: ”ہم نے تم پر وحی اسی طرح کی جیسے نوح پر اور نوح کے بعد پیغمبروں پر وحی کرتے رہے۔“

اس سلسلے میں چند پیغمبروں کے نام لینے کے بعد یہ بھی فرمایا گیا ہے:-

”وَأَرْسَلْنَا قَدْ فَضَّلْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرِثَانًا لِّمَنْ نَقْضُ عَنْهُمْ غَيْرُكَ.“ (النساء: ۱۶۴)

ترجمہ: ”ان پیغام نانے والوں میں سے بعضوں کا حال تم سے ہم نے بیان کیا

اور بعضوں کا حال نہیں بیان کیا ہے۔"

جس سے معلوم ہوا کہ انسانی زندگی کے نیک اور بد انجام کو علم و عمل کے نظام پر مرتب کرنے کے لیے اور انکی تشریح و تعلیم کے لیے پیغمبروں کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا۔ پھر دوسری جگہ اس کی بھی تشریح ہے کہ:-

"فَمَنْ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقْبُلُوا الدِّينَ ۚ وَالْأَنفُسُ فَزُجِّرُوا
فِيهِ." (شوری: ۱۳)

ترجمہ: "الہدین (یعنی ایسا آئینی دستور جس پر زندگی کے دوسرے دار میں بدلہ دیا جائے اسی کو قانون بنا کر) جو تمہیں دیا گیا یہ وحی دین ہے، جس کی وصیت خدا نے نوح علیہ السلام کو کی اور جس کی وحی ہم نے تمہاری اور اسی کی وصیت ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو کی اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی (اسی کی وصیت کی گئی مقصد یہ تھا اور ہے) کہ اس الدین (اسی دستور کو) قائم کرو اور اس میں بکھرو مت۔"

ایک اور مقام پر یہ لفظ کرک:

"فَلَمْ يَذْبُزُوا الْقَوْلَ ۚ أَمْ جَاءَهُمْ مُنْكَرٌ مِّنَ آيَاتِنَا أَنَّهُمْ
الْأَوَّلِينَ." (المومنون: ۶۸)

ترجمہ: "کیا بات کو وہ سوچ نہیں رہے ہیں۔ یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے آباؤ اجداد میں (انکے باپ دادا کو) نہیں دی گئی تھی۔"

اس امر کو واضح الفاظ میں صاف کر دیا گیا کہ انسانی زندگی کا قدرتی دستور مکمل جس کی دین و مذہب کے تحت اور دھرم وغیرہ الفاظ سے ٹوٹ تعبیر کرنے میں یہ انسانیت کا ایک

مشترک موردی ترک ہے اور اصولاً ایک فن دستور العمل ہے جس کی پابندی کا مطالبہ اس زندگی زندگی میں بدلے کے لئے آخراً خرافہ فی نوع انسان کی تاریخ کے ہر دور میں کیا گیا اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ آخر قرون کا بنانے والا جب تک ہو اور جس کے لیے قانون بنایا گیا ہو وہ بھی ایک ہو تو شکل و صورت، چہرہ و بشرہ، رنگ و روغن کے اختلاف سے یا زمین کے کسی خاص خط میں سکونت کی وجہ سے جو کسی دور پہاڑ وغیرہ سے گھر ہو یا کن خاص خانہ ان میں پیدا ہونے کی وجہ سے یا زبان کے اختلاف کی وجہ سے یا انسان جن چیزوں کو استعمال کرتا ہے ان سے بدل جانے کی وجہ سے کیا آدمی کی فطرت بدل جاتی ہے۔

بہر حال جیسے کہ وہ انٹیلیجنٹ خیال ہے کہ زندگی کا وہی دستور لیکن جو دور سے آیا، لیکن کونسا امت اس کا اعادہ، اسی کی توجہ یہ کامل مجموعی رسواں میں بھی ہونا چاہیے۔ لے دین و زندگی کا یہ دستور، لیکن ہمارا ایک مشترک موردی ترک ہے، اہمیت یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عطا کیے ہوئے مہمان کی حفاظت انسانی میں جو مختلف قومیں شخصوں اور لاپرواہیوں کی شکار ہوتی ہیں۔ خدا کی خاص قسم سے بہت کر اپنے ہی جیسے انسانوں کے خود تراشیدہ رسواں اور دستوروں میں لوگ مجھے دے۔ مختلف زبانوں اور ملکوں میں زیادہ تر ظہیروں کی ضرورت اسی عام تاریخی حادثہ نے پیدا کی جہی جب خدا کی خاص تعلیم اور ہدایت نامہ سے کوئی بہت سے تو پھر اسی موردی انسان کی طرف واپس کرنے کے لیے حق تعالیٰ قوموں اور امتوں میں رسواں اور ظہیروں کو پیدا کرنا ارادہ فرمایا۔

چاہے تو یہی تھا کہ مختلف کی شخصی اہمیت، جن کے لیے قانون بنایا ان زندگی و عدت کی بنیاد پر لوگ اپنے ان موردی قانون نوایہ ہی قانون کی حیثیت سے دیکھتے مگر تصدیق و توثیق، تصحیح اور تکمیل وغیرہ و افواض کے لیے متعدد پیغمبروں کا ظہور مختلف زبانوں

میں جو ہوتا ہو، یہ عجیب بات ہے کہ کسی ایسے دستبردار مصنف کے پیش کرنے والوں کے اس اعداد و تحریک کو دیکھ کر حقیقی پھٹی ہوئی ہے۔ نہ سب دین میں آئیے نہیں بلکہ متعدد دور بہت ہیں۔

قرآن گزشتہ آسمانی کتابوں کا آخری ایڈیشن ہے:

بقول حضرت الامام ذیاب: یہی کتاب کو چند آدمی اُن کتب خانہ سے نہ لیں تو چند لانے والوں نے وجہ سے آیا وہی ایک کتاب ہی چند ہو جائے گی۔ یعنی کسی مصنف کی کتاب کے چند ایڈیشن کو دیکھ کر یہ فیصلہ کتنا غلط ہے۔ یہاں تک کہ مصنف کی یہ ایک کتاب نہیں بلکہ چند کتابیں بن گئیں۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن تمام دینی کتابوں کے ساتھ اپنی اسی نسبت کا مدعی ہے یعنی کچھلی ساری آسمانی کتابوں کا اپنے آپ کو وہ آخری اور مہم ترین ایڈیشن قرار دیتا ہے اور قوموں کے پاس اس کتاب کے جوچے نے مشتبہ اور مشکوک پر ناقص و غیر مکمل شہادہ گئے ہیں ان کے متعلق اس کا صرف یہ مطالبہ ہے کہ اس جدید ترین اور کامل ایڈیشن سے مقابلہ کر کے تو میں اپنی موروثی کمزوری کی تصحیح کر لیں، مگر اس کا صرف یہی ایک مطالبہ قرآن نے دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مطالبہ کا مطلب کسی حیثیت اور کسی لحاظ سے بھی نہیں ہے کہ دنیا کی قوموں کے پاس آسمانی دین اور مذہب اور بچے آباد ابداد سے جو پہنچا ہے اس دین سے اور اس دین کا انتساب جن بزرگوں کی طرف ہے ان بزرگوں سے بے تعلق ہو کر قرآن کو بالکل ایک جدید دین اور دوسری کتاب کی حیثیت سے مانا جائے۔ یقیناً قرآن ہی کا یہ مطالبہ اور قرآن کے لئے نئے دینوں کی طرف سے یہ دعوت دنیا کے سامنے بھی پیش ہوئی۔ (۱)

(۱) اسی سے اندازہ کیجئے کہ مہداتہ اسلام صحابہ رضی اللہ عنہم جو معائنہ سرِ مکمل میں (جو دیکھتے)

.....

= سے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت ان کو حاصل ہوئی تو انہیں نے عرض کیا کہ قرآن کے ساتھ تورات کی حلاوت بھی ہماری رکھوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اقْرَأْ هَذَا الْجِلْدَ وَهَذَا الْجِلْدَ" یعنی ایک دات قرآن پڑھا کر اور ایک دات تورات۔ (تذکرہ حفاظ القرآن ص ۲۶۰ ج ۱) حقائق ابن سعد میں بھی ابو الجلاء الجولنی کے تذکرے میں لکھا ہے کہ سات دن میں قرآن اور چودھن میں تورات طبع کرنے کا عام دستور اپنے نیچے انہوں نے مقرر کیا تھا اور ختم کے دن لوگوں کو جمع کرتے تھے کہ اس دن رحمت نازل ہوتی ہے۔ (ابن سعد ج ۱ ص ۱۶۱) اور واقعہ بھی یہی ہے کہ قرآن کی صحیح راہ نمائی میں اس قسم کی کتابوں کے پڑھنے سے جہاں تک میراثاتی تجربہ ہے خود قرآن کے کلمے میں بھی مدد ملتی ہے، انجیل و تورات غیر ان کا تو پوچھنا ہی کیا میں مفکریت سے واقف نہیں ہوں لیکن اردو میں اس کے بعض حصوں کا ترجمہ ہو گیا ہے اس کا ایک دن مطالعہ کرو یا تھا جو بگڑا ہوا ایک نکلا تھا ایک جگہ مجھے یہ فقرہ اس کتاب میں ملا: "یعنی اے انکی تو خوبصورت بچہ ہے، پورا اس میں سے نکالا ہوا، اس کی کوڑور کرتا ہوا، ماؤں سے شکر کرتا ہوا پیدا ہوا ہے۔" (ارحیہ ۲۳/۱۸) کو کہتے ہوئے کچھ ذرا بھی معلوم ہوتا ہے لیکن جو واقعہ پیش آیا اس کا اظہار کرتا ہوں، اس اشوک نے صافیرے دن کو قرآن کی ان آیتوں کی طرف منتقل کر دیا جن میں ارشاد ہوا ہے کہ "تم دیکھتے ہو اس آگ کو جسے تم پیدا کرتے یا نکالتے ہو، کیا تم نے اس کے درخت کو گایا، یا نام چن کر اس کے اکاٹے رو لے۔" (الولعہ) قریب قریب یہی مضمون سورہ نینس میں بھی ہے۔ عام مفسرین عرب کے بعض خاص ردخوش کا ذکر کر کے لکھ دیتے ہیں کہ ان کی شاخوں کو بہرہ کر کر غرب آگ پیدا کرتے تھے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن بگڑا ہوا یہ گایا طرہ خمیر قرآن کے طرز تعبیر سے اس وجہ سے نکلا تھا کہ خیال گذرا کہ کیوں نہیں قرآن میں بھی "درخت" کو عام درخت سمجھ جائے اور جیسے دید میں ہے کہ آگ خوبصورت بچہ ہے پورا اس میں سے نکالا ہوا یعنی شمس کا ظہور کرکے ہی کے چلنے سے ہو جا ہے ارادہ سے شکر کرتا ہوا پیدا ہوا ہے، قرآن میں بھی کیا اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟ (۱۲ مناظر حسن تیلانی) (اس بحث سے متعلق ضروری نوٹ مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ مجدد الخیر)

کیا قرآن کسی کو اس کے آبائی اور موروثی دین سے جدا کرتا ہے؟

آج کروڑ ہا کروڑ کی تعداد میں مسلمان دنیا کے اکثر علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں یقیناً ان میں عیسائی، یہودی اور اسی قسم کے دوسری مذہبی امتوں کے لوگ بھی شریک ہیں۔ پھر کیا قرآن کو مان کر جو عیسائی تھے مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی کتاب انجیل کی تکذیب کی، یا جو یہودی تھے مسلمان ہونے کے بعد 'دی علیہ السلام' یا انجیل کی توہین کر رہے ہیں یا تورات اور تورات کے ساتھ دوسرے پیغمبروں کی جو کتابیں ہیں انہیں جھٹلا رہے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کا تعلیم سے جو دور ہو گئے تھے قرآن شریف کو مان کر وہی عیسائی حضرت یحییٰ اور ان کی صحیح تعلیم سے پھر قریب ہو گئے اور یہی حال ان ساری قوموں کے ساتھ پیش آیا ہے جو گزشتہ تیرہ سو سال سے تیرہ صدیوں میں قرآن کو مان کر اسلامی حلقے میں داخل ہوتی رہی ہیں یعنی اپنے آبائی اور موروثی دین کے جن اجزاء و عناصر کو لوگ کھوپٹے تھے یا تاریخی حوادث و واقعات نے ان کے دین کے جن حقائق و مسائل کو مشتبہ و مشکوک بنا کر رکھ دیا تھا۔ قرآن شریف کی راہ سے ان کھوئی ہوئی چیزوں کو انہوں نے پالیا اور شک و شبہ کی تاریکیوں میں جو باتیں رمل مل گئی تھیں قرآن کی روشنی میں اب یقین کی آنکھوں سے دیکھنے اور پالنے میں وہ کامیاب ہوئے ہیں۔ پس حقیقت یہی ہے کہ اپنے آباء و اجداد میں اور گزشتہ باپ دادوں کے دین سے قرآن پاک کو مان کر قطعاً کوئی الگ نہیں ہوا ہے بلکہ جو الگ ہوئے تھے بلا خوف تردید دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے آبائی دین ہی کی طرف خدا کی اس آخری کتاب نے ان سب کو واپس کر دیا ہے۔ اس نے توڑ انہیں ہے بلکہ جو ٹوٹے ہوئے تھے ان کو اپنے بزرگان سلف اور

ان کی کچھ تعیم صحیح زندگی کے ساتھ جوڑ دیا ہے، واقعہ یہی ہے خواہ دنیائے انسانی کو ماننے یا نہ ماننے
قرآن کی موت و تلخ کا یہی بخوری نصب العین ہے۔ پھر یہی ہوئی منتشر اور پراگندہ انسانیت
نواہی راہ سے وحدت و اتفاق کے مرکزی نقطہ پر وہ "سمیٹ کر" لے آنا چاہتا ہے۔

بہر حال یہ تو ایک تمہیدی ذیلی گفتگو تھی، جس پر آپ کے سامنے اس مدروسی و بین کی
ایسی کتاب کے آخری ایڈیشن نے ان پہلوؤں کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جن کے
معلق بدبختی سے بدنامہ تھے۔ خوش میں خواہ وہ بعض بے بنیاد و سناوے اور باعقل و زہوں
سے ٹکس پڑے ہیں۔ یعنی قرآن مجید کی تدوین یا جمع و ترتیب کی جو واقعی سرگزشت ہے اسی
کے متعلق ایک مختصر انسانی بیان ان لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں جو دو حقیقت کی وجہ سے
ان ہی اقدام سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں یا آئندہ مبتلا کئے جا سکتے ہیں۔

قرآن کی تدوین کی مصدقہ شہادتیں:

قرآن کی تدوین یا جمع و ترتیب کے متعلقہ سوالوں پر جن شہادتوں سے روشنی
پڑ سکتی ہے آسانی کے لیے ہم ان شہادتوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ مثنیٰ شہادتوں کا
ایک سلسلہ تو وہ ہے جو خود اس کتاب کے اندر پایا جاتا ہے۔ ہم اندرونی شہادتوں سے سنائی
تعبیر کر سکتے ہیں اور دوسرا سلسلہ ان خارجی روایات کا ہے جن سے اس کتاب کے تدوینی
حالات جاننے اور سمجھنے میں مدد ملتی ہے، ہم ان کو مثنیٰ شہادتوں سے موسوم کریں گے۔
پہلے ہم اندرونی شہادتوں کو پیش کرتے ہیں۔

اندرونی شہادتیں:

واقعہ یہ ہے کہ اس لحاظ سے دنیا کی ان تمام کتابوں میں جنہیں قومیں خدا کی طرف منسوب کرتی ہیں شاید قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے متعلقہ روایات کے جوابات نے بے قلعہ خود نشانی ہونے کی حیثیت رکھتی ہے، دوسرے لحاظ میں، صریح کہہ سکتے ہیں کہ ان روایات کا جو ذخیرہ قرآن کے صحیح ترتیب کے متعلق پایا جاتا ہے امر یہ ذخیرہ وہ بھی پایا جاتا ہے جب بھی اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کے متعلقہ سوالات کے جوابوں کو ہم خود قرآن ہی میں پانٹتے ہیں۔

اس کتاب کا نزول کرنے والا کون ہے؟ کس پر نازل ہوئی؟ کس لیے نازل ہوئی؟ کیا صرف ان ہی بنیادی سوالوں کے جوابات جیسے کہ ہر قرآن پڑھنے والا جانتا ہے اس کتاب میں جگہ جگہ موجود نہیں ہیں بلکہ اسی نوعیت کی دوسری کتابوں میں کون کوئی چاہتا ہے تو انصاف سے بتایا جائے کہ ان سوالوں کا جواب خود ان کتابوں میں کوئی یہ پاسکتا ہے؟ چونکہ قرآن ہی یہ عام باتیں ہیں اس لیے ان سوالوں پر بحث کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے قرآن کی اندرونی شہادتوں کی روشنی میں اس وقت صرف حسب ذیل سوالوں کے جوابوں کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ ابتدائی حالت اس کتاب کی کی تھی؟ بالذات، مگر میرا مطلب یہ ہے کہ جیسے مبرا خدا کی طرف منسوب ہونے والی دوسری کتابوں کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء زبانی یادداشتوں اور نیتوں اور مجلس کی شکل میں دوریں اور صدیوں بعد وہ قلمبند

ہو گئیں۔ (۱) اس باب میں قرآن کا کیا حال ہے؟

بقول مولانا مکیانی اس سوار کے دل کے لئے اوراق اللہ کی بھی ضرورت نہیں بلکہ سورہ کا تحفہ کے بعد قرآن کی پہلی سورہ بقرہ ہی کی یہی آیت "ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ" (یہ ایک نوشتہ ہے جس میں شک نہیں ہے) اسی فقرہ میں اس سوار کا جواب آپ کو مل جائے گا یعنی خود کتاب کا لفظ جس کے معنی نوشتہ اور لکھی ہوئی چیز سے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش آنے والا ابتداء ہی سے اس کو نوشتہ اور مکتوبہ شکل ہی میں پیش کرنا چاہتا ہے اور کتاب یہ نوشتہ کا یہ لفظ بجز وہی مقام پر مستعمل نہیں ہوا ہے۔ قرآن پر جسے فقرہ یا ہر بڑی سورت میں کتاب یہ نوشتہ ہونے کی اسی توجیر کا مسلسل ذکر آپ کو ملنا چلا جائے گا، بلکہ یہی بات تو یہ ہے کہ کفار و مجرم یا یہ فقرہ جو قرآن میں نقل کیا گیا ہے یعنی وہ کہا کرتے تھے کہ

"اَلَمْ نَكْتُمِبْهَا فِيْهِ تَمْلِيْ سُبْحٰنَكَ وَبُحِيْرًا" (الفرقان ۵)

ترجمہ: "لکھ لیا ہے اس شخص نے (یعنی پیغمبر نے) اس کو (یعنی قرآن کو) ہمیں

(۱) حد یہ ہے کہ اس مسئلے میں کتابوں کے جس مجموعے کو دنیا کا قدیم ترین مجموعہ مانا جاتا ہے یعنی ہمارے مسکے کی آفات پہلی وید سے متعلق آپ اس طرح بت سکی کہ قرآن مجید جو امر سلطانی آخری کتاب ہے اس کے پانچ سو سال بعد قلمبند ہوئی۔ ایسی دینی دوسری صدی عیسوی میں ہندوستان آیا تھا ان کا بیان ہے کہ اس کی آمد سے یکوئل ابن پہلے ایک کشمیری پندت نے وعدہ کرتے ہوئے کہا "ہماری وید سے پہلے مشابہت سے برہمنوں کا ایک مذہب اس کو زبانی یاد کر کے چلا آیا تھا۔" (دیکھو کتاب "ہندوستان کے زمرہ وظیفی سوشلزم و اقتصاد کی حالت" از عبد اللہ یوسف علی - صفحہ ۱۱۷) "کشمیری نے اپنی کتاب "ہندی فلسفہ" میں لکھا ہے کہ مولانا ویدوں کے قلمبند کرنے کو زمانہ تک کفر سمجھا جاتا تھا۔ برہمن اپنے استادوں سے نہیں کر زبانی یاد کرتے تھے اسی سے اس کا نام "اسرہتی" تھا۔ (دیکھو "ہندی فلسفہ"

ش. ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷

وہی پڑھا جاتا ہے اس پر صبح شام۔“

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی کتابت اور توثیق ایک عام اور پھیلی ہوئی بات تھی جسے وہ بھی جانتے تھے جنہوں نے اب تک اس کو خدا کی کتاب بھی نہیں مانا تھا۔
ماسوا اس کے اس کتاب پانوشے کے متعلق اس قسم کے ذیلی سوالات یعنی قرآن کس چیز پر لکھا جاتا تھا۔ پیپر تو خوردہ فی تھے مکتے پڑھنے سے ناواقف تھے مگر کن دوسوں سے اس کو نکھواتے تھے آپ چاہیں تو ان سوالات کے جوابوں کو بھی قرآن ہی میں تلاش کر کے پا سکتے ہیں۔ مثلاً پہلا سوال یعنی قرآن کس چیز پر لکھا جاتا تھا۔ اس کے لئے قرآن میں ہی پڑھیے:-

”وَالطُّورِ وَحِجْبِ مُصْطَفٰیٰ ذِیٰ مُنشُورِ (۱)“ (الطور: ۱)

ترجمہ: ”قسم ہے (کوہ) طور کی اور نکھی ہوئی کتاب کی جو باریک تھکی تھکی ہوئی پڑھی ہوئی ہے۔“

جیسا کہ معصوم ہے کہ ”ذی“ ایک خاص قسم کی باریک تھکی کو کہتے ہیں جو لکھنے کے کام کے لیے تیار کی جاتی تھی انگریزی میں جسے پارچمنٹ (PARCHMENT) کہتے ہیں اور قدیم زمانہ کی قورات، انجیل، غیرہ جیسی کتابیں اسی پر لکھی ہوئی اب بھی ملتی ہیں۔ قرآن یہ طوائف دیتا ہے کہ اس کی کتابت بھی ”ذی“ ہی پر ہے۔ اسی مخرج اس کی خبر دیتے ہوئے کہ قرآن تو چونک پیدا کرنے والی ایک چیز ہے اس کی صفت میں فرمایا جیسا ہے:-

(۱) تفسیر فتح البیان ج: ۹ ص: ۲۸ میں دیکھیے کہ کتاب معصومہ ذی منشور میں نکھی ہوئی ہے اس سے

"فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كَرَامٍ

مَرْزُوقَةٍ" (محس۔ ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶)

ترجمہ: "صحیفوں میں نکما ہوا ہے ایسے صحیفے جو مکرم و محترم ہیں پاک ہیں لکھے

ہوئے ہیں ہاتھوں سے ان لکھے والوں کے جو بڑے بزرگ اور پاکباز لوگ ہیں۔"

جس سے صرف یہی نہیں معلوم ہوا کہ قرآن صحیفوں میں لکھا جا رہا تھا بلکہ اس کے

لکھے والوں کی ان اعلیٰ خصوصیات کا بھی اظہار کیا گیا ہے جن میں صحت نویسی کی ضمانت

پوشیدہ ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ قرآن کے پڑھنے والے اس قسم کی آیتیں پڑھتے ہیں۔

۷۷۔

"لَا يَنْسِفُ إِلَّا الْمُعْطَرُوفُ" (الواقعة: ۷۹)

ترجمہ: "نہیں چھوٹیں اس کو (یعنی قرآن کو) مگر وہی لوگ جو پاک ہوں۔"

مگر نہیں سوچتے کہ بانی یا راہب کی شکل میں جو چیز ہوگی کسی حیثیت سے بھی یہ

حکم معنی مس اور چھونے کی ممانعت کا تصور اس کے متعلق کیا جاسکتا ہے جس کے صاف معنی

یہی ہیں کہ خود قرآن نے اپنے آپ کو ایک نوشتہ اور مکتوبہ شکل میں پیش کیا ہے جس کے مس

اور چھونے جانے کا بھی امکان تھا اور نہ ممانعت یقیناً ایک بے معنی سی بات ہو جاتی ہے۔

علامہ اس کے ترجمہ میں نزول یعنی وقت افتاد سے قرآنی آیتیں جو اتر رہی تھیں اور

"يَنْسِفُ وَاحِدَةً" (الفرقان: ۳۲) یعنی ایک ہی دفعہ ان کو نازل نہیں کیا گیا اس کی وجہ جو

یہ بیان کی گئی ہے کہ:

"يَنْسِفُ بِهِ فُؤَادَكَ" (الفرقان: ۳۲)

ترجمہ: "تاکہ ہم جہاں نہیں اس کے ساتھ تیرے دل کو۔"

ظاہر ہے کہ قرآن کو دل میں جمانے یعنی یاد کرنے میں خود پیغمبر کو نزول کے اسی قدر بھی طریقہ سے یہ بہت موقع مل سکا تھا۔ پھر سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ:

”وَلَوْ أَنَّا فَرَقْنَاهُ بِثَمَرٍ أَهْ عَلَى الثَّمَرِ عَلَى مَثَبٍ.“ (الاسراء: ١٠٦)

ترجمہ: ”قرآن (جس کی آجوں کو) جدا جدا کر کے ہم نے اتارا (پاس لئے کیا گیا) تاکہ لوگوں پر واقعہ کے ساتھ اس کتاب کو ختم ہو۔“

اس قدر بھی نزول کی وجہ یہ تھی جو بیان کی تھی کہ لوگوں کے سامنے وقفہ وقفہ سے پڑھنے کا موقع اسی طرح مل سکتا ہے گویا علاوہ پیغمبر کے دوسرے لوگوں کو بھی قرآن شریف کے زبانی یاد کرانے کی بھی تدبیر ہو سکتی تھی اس تدبیر میں جو کامیابی ہوئی اس کی خبر دیتے ہوئے قرآن ہی میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ:-

"إِنَّمَا هِيَ إِتَابٌ لِّأُولَئِكَ فِي مَذُورٍ الَّذِينَ
لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ" (عنكبوت: ٢٤)

ترجمہ: ”بلکہ وہ (یعنی قرآن) تو کھلی ہوئی واضح آیتوں کا (مجموعہ ہے) جو ان لوگوں کے سینوں میں ہے جنہیں علم دیا گیا ہے۔“

مطلب بھی ہوا کہ علاؤ الدین کا لب میں محفوظ ہونے کے صحابیوں میں اہل علم کا جو طبقہ تھا قرآن اطوار دیتا ہے کہ ان کے سینوں میں بھی وہ محفوظ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ نیز سورۃ منزل کے آخری رکوع میں:

“فَاَقْرَأْ وَنُصِّرْ بَيْنَ الْقُرْآنِ.” (المزمل: ٢٠)

ترجمہ: ”پس ہر قوم لوگ جتنا آسانی سے ہو سکے قرآن کو۔“

کے حکم کو نافذ کرتے ہوئے اس واقعہ کا تذکرہ قرآن ہی میں کیا گیا ہے کہ پیغمبر ہی نہیں بلکہ پیغمبر کے صحابیوں کا ایک حلقہ اور گروہ بھی

"أَذْنَىٰ مِنْ ذُلِّي اللَّيْلِ وَنُصْفَةِ الْغَلَّةِ" (الزمر: ۲۰)

ترجمہ: "رات کے دو تہائی یا آدھے یا تہائی حصہ میں۔"

کھڑے ہوتے ہیں اور قرآن کو دہراتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق:

"يَقْلُوبُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنْفَاءً اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ" (آل عمران: ۱۳)

ترجمہ: "پڑھتے ہیں اللہ کی آیتوں کو رات اور دن کے وقت میں۔" (۱)

وغیرہ آیتوں میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ صبح و شام ان کا شغلا اپنے یاد کیے ہوئے قرآن کا اعادہ اور تکرار تھا۔

قرآن کی اندرونی شہادتوں کے بعد کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کتاب کی حفاظت کا سامان سنبھلنا و حفظا یعنی لکھ کر اور زبانی یاد کر کے جو کیا گیا تھا اس کے لئے کسی بیرونی شہادت کی ضرورت ہے۔؟ خود قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت خود اس کتاب کے محفوظ کرنے کا سامان اس حد تک کر چکی تھی کہ دوسری آسمانی کتابوں کے ساتھ مختلف حوادث و واقعات جو پیش آتے رہے ان کا قطعی طور پر شرع ہی سے انسداد کر دیا گیا تھا۔ سورۃ البروج میں ہے:

"هَلْ أَمُكَ حَبِيبُكَ الْجَنُودِ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ" (البروج: ۱۸)

ترجمہ: "کیا تمہارے پاس جنوں کی خبر پہنچی ہے یعنی فرعون اور ثمود کے جنوں

(۱) اصل کتاب میں یوں تھا "يَقْلُوبُونَ آيَاتِ اللَّهِ مَلْفِينَ وَفُتً" (پڑھتے ہیں اللہ کی آیتوں کو رات اور دن کے وقت میں) لیکن ان الفاظ کے ساتھ آیت قرآن میں نہیں ہے لہذا اس کو بدل دیا گیا۔ عبد اللہ

کی۔“

اس سوالیہ فقرے کے بعد قرآن ہی میں اس دعوے کا اعلان کیا گیا یعنی:

”بَلِّغُوا قُرْآنًا مُّجِیَّدًا فِیْ لَوْحٍ مُّحْفُوْطٍ۔“ (البروج: ۲۱)

ترجمہ: ”بلکہ وہ تو بلند و بالا قرآن ہے لوح محفوظ میں۔“

بقول مولانا گیلانی اس کا بظاہر یہی مطلب ہوتا ہے کہ فرعون وحمود جیسی قوموں کی سی جہار حکومتوں کی طاقت بھی قرآن کو غیر محفوظ کرنے کی کوشش کسی زمانہ میں بھی خدا نخواستہ مگر کرے گی تو ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ تیرہ سو سال سے قرآن کے اس دعوے کی جو دوست نہیں ہیں، وہ بھی تصدیق کر رہے ہیں۔

”ہم قرآن کو محمد کا کلام اسی طرح یقین کرتے ہیں جس طرح مسلمان اس کو خدا

کا کلام یقین کرتے ہیں۔“ (اعجاز التقریل ص: ۵۰۰)

یہ ایک غیر مذہب کے آدمی ”وان ایم“ (جرمنی) کا ایسا مستحسانہ اعتراف ہے کہ جو قرآن کی تاریخ سے تھوڑی بہت بھی واقفیت رکھتا ہے، خدا کا کلام اس کو نہ بھی مانے لیکن ”وان ایم“ نے جو بات کہی ہے اس کے اعتراف و اقرار پر تو اپنے آپ کو وہ بہر حال مجبور پائے گا۔

نا قابل انکار تاریخی حقیقت:

واقعہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو جن خصوصیتوں کے ساتھ دنیا کے حوالے کیا تھا ابتداء سے اس وقت تک بغیر ادنیٰ تغیر و تبدل اور مر موثقات کے وہ اسی طرح سلسلہ بعد سلسلہ کر دیا کہ در مسلمانوں میں اس طریقہ سے منتقل ہوتی ہوئی چلی

آرمی ہے کہ سال دو سال تو فتح بڑی بات ہے ایک سو گئے تھے بھی نہ قرآن ہی مسلمانوں نے کبھی جواہر اور نہ مسلمان قرآن سے جدا ہوئے اور اب تو طبعیات و اشاعت وغیرہ کے لحاظ و ذرائع کی پیدائش کا نتیجہ ہو چکا ہے کہ میر و موز کی غزنیوں یا اسی قسم کی دوسری مہمیں پڑوسوں کو اب دین سے ملنا نہیں سکتا تو قرآن کے نئے مٹانے کا بھلا اب مکان ہی یہ باقی رہا؟

اس وقت تک میں نے قرآن کی انہی اندرونی شہادتوں کا ذکر کیا ہے جن کے نتائج اور نتائج وہ بھی دیتے ہیں وہ ان کو ماننا بھی چاہیے جنہوں نے اب تک اس کتاب کو خدائی کتاب تسلیم نہیں کیا ہے۔ باقی قرآن میں نے نہایت خدائی کتاب کہا ہے۔ اس سلسلہ میں اہل اسلام اٹھائی (۱) خبر قرآن ہی نے کسی قسم کی کوئی منہج نہیں چھوڑی ہے۔

”لَا يَأْتِيَنَّكَ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ“ (نص: ۴۲)

ترجمہ: ”قرآن میں نہ سامنے سے الباطل نہ پیچھے کی طرف سے نہ آئے گا۔“

”سے۔“

اس کا حوالہ یہی تو ہے کہ الباطل (یعنی قرآن کا جو جز نہیں ہے) اس نے لئے خدا نے نامہ داری کی ہے کہ چاہئے والے کسی راستہ بھی پاویں کہ قرآن میں اس کو دخل نہیں آسکتا۔ یہ تو وہ ایسا نہیں آسکتا۔ خدا ہے کہ ان الفاظ کو خدا کے الفاظ جو تسلیم کر چکا ہے یہ وہ اپنے آپ کو مسلمان بنائی رکھتا ہے اگر کسی خدا یا شوشہ تک کے اسلاف کا قرآن میں تصور

(۱) قرآن میں پیش کی گئی یا اضافی باتیں کہ ہم اس کا ان کے اس مسئلہ: ”تنبہ قرآنی آجوں اور سے“ میں لکھا ہے۔ اپنی کتاب میں لکھا ہے اور یہ خبریں ان سے اخذ ہے۔

نہیں تھے؟

پھر جو اس اضافہ ہے، یہ بھی یقیناً کئی کئی نہیں ہے۔ مولانا ابوالخیر نے اس سلسلہ میں سورۃ العنکبوت کی آیت ”بِئْنَ عَلَيْنَا جُمُعَةُ وَقُرْآنُهُ ثُمَّ ابْنَ عَلَيْنَا نِيَانًا“ (العنکبوت: ۱۸) کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اگرچہ نئے مکرمہ کل کتب خانہ کی پیداوار ہیں، مولانا کے بیان کا ہم صدیقہ یہ کہ قرآن کا ہر نئے اضافہ کے ذرا قبل جب مولانا تھے۔

”ابْنَ عَلَيْنَا جُمُعَةُ“ (العنکبوت: ۱۸)

ترجمہ: ”قطعاً ہم پر قرآن کے جمع ہونے کی ذمہ داری ہے۔“

تو اس کی سبب میں کیا بلی راق ہے کہ قرآن میں ان چیزوں کو نہ لایا گیا اور نہ ہی ان کو لایا گیا ہے۔ ان کی کمال سے یہ بھی جگہ سے بڑا ہے، بلکہ اسی نے بعد ازاں مولانا نے ”قرآنہ“ کے لفظ کا اضافہ ”جُمُعَةُ“ سے بعد چاہا، نہیں لایا گیا ہے بلکہ سمجھ جائے تو نہ آئے گا۔ بعض پیدا ہونے والے شکوک و شبہات نے زوال کا جس میں سامان میں ملتا ہے، مولانا نے کتب خانہ کی طرف توجہ کرنے اور باقی رکھنے کی ذمہ داری ”بِئْنَ عَلَيْنَا جُمُعَةُ“ سے لے لیا۔ اس لیے کہ جس کا مفاد میں ہو سکتا ہے کہ قرآن کے کسی جز کو خدا تعالیٰ نے نہ ہونے دے گا اور قرآن دنیا میں اپنے تمام اجزاء کے ساتھ راق و غیرتاً موجود رہے گا۔ لیکن اسی نتیجہ میں انہوں نے انہیں جن میں جن کا پناہ ملنے والا اب کوئی بلی نہیں رہا، ان کی صورت میں کتاب کا انہیں رہنا نہ رہنا دونوں باتیں ہیں۔ اب اگر وہ چنے تو اس قدر دیکھا جواب ”قرآنہ“ نے لفظ میں آپ پڑھتے ہیں یعنی اس کی بھی ذمہ داری ”قرآنہ“ نے لفظ سے لی گئی کہ قیامت تک اس کتاب نے چڑھنے والوں کو خدا پیدا کرنا نہ دے گا۔ اور اس وقت تک یہ ذمہ داری جیسا کہ لایا دیکھ رہی ہے خدا پوری کر رہا ہے۔ ”قرآنہ“ کا مطلب اس

کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جیسے قرآنی اجزاء کے جمع رکھنے کی ذمہ داری حق تعالیٰ نے لی ہے اسی طرح اس کتاب کے پڑھنے پڑھانے کا ذمہ داری وہ خود ہی ہے۔ آگے سوال ہو سکتا تھا کہ پڑھنے والے بھی باقی رہیں لیکن سمجھنے اور سمجھانے والے غائب ہو جائیں تو اس وقت بھی کتاب کا اذوق ختم ہو جائے گا جیسے آج مثلاً وید کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ اس کی زبان اتنی پرانی ہو چکی ہے کہ لغت کی مدد سے بھی اس کا سمجھنا مشکل ہے۔ (۱)

اسی دوسرے صفات اللہ تعالیٰ کے قول:-

”لَمْ يَأْتِ غَلِيظًا بَيِّنَاتٍ“ (القیامہ: ۱۸)

ترجمہ: ”پھر ہم یہی ہے اس کا بیان بھی۔“

کے الفاظ میں آپ پا سکتے ہیں۔ آخر جس کتاب کے معانی و مطالب کے بیان و تشریح کی ذمہ داری اس خدا نے لی ہو جس کا وجود ماضی و اصل و مستقبل سب سے مساوی قطع رکھتا ہے تو کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ اپنی اس ذمہ داری کو تاریخ کے بردور میں کیوں پوری نہ فرمائے گا؟ قرآن سے یہی سمجھا جاتا ہے اور یہی دیکھا بھی جا رہا ہے کہ ہر زمانہ کے اقتضاء کے مطابق قرآنی معانی و مطالب کی تشریح و تفسیر کرنے والے مسلسل چھوڑ رہے ہیں۔ دراصل انہی تفصیلات کا اجمالاً ذکر قرآن کی مشہور آیات میں فرمایا گیا ہے جسے عموماً مولوی اپنے وعظوں میں لوگوں کو سناتے ہی رہتے ہیں۔ یعنی:-

”إِنَّا نَعْنُو فَرَأَيْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ (الحجر: ۹)

(۱) حضرت عبداللہ بن ابی بنی مشہور کتاب ”گیتہ“ اور قرآن میں وہ کاتہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کی (یعنی اہل حق کی) زبان اتنی پرانی اور عجیب ہے اور ایک ایک حرف کے اچھے اچھے اچھوٹے جانتے ہیں کہ بے پڑھے لوگوں کے لئے نہیں بلکہ دوزخوں (عہدہ) کے لئے بھی ہزاروں برس سے ادھ ایک پتیلی رہا ہے اور بیٹہ نہیں ہی رہے گا۔ (ص ۹۹ کتاب تذکرہ اوردائیریشن)

ترجمہ: ”ہم ہی نے اس ذکر (چمک پیدا کرنے والی کتاب) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی تحفہ حفاظت کرنے والے ہیں۔“

بہر حال بیرونی شہادتوں سے اگر قلع نظر بھی کر لیا جائے تو قرآن کی اندرونی شہادتوں ہی سے ان سارے سوالوں کے جوابوں کو ہم حاصل کر سکتے ہیں جو قرآن جیسی کمی کتاب کے متعلق دلوں میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

قرآن میں نوشت وخواند سے متعلق الفاظ:

انہما یہ ہے کہ قرآن کے عہد نزول میں عرب کے ماحول کی جو نوعیت نوشت وخواند کے لحاظ سے تھی عرب کی صحیح تاریخ کا جنہوں نے مطالعہ نہیں کیا ہے نیز قرآن ہی کی ایک اصطلاح یعنی لفظ ”جاہلیت“ کے اصطلاحی معنی سے واقف ہونے کی وجہ سے بعض لوگ اس معاملہ میں جو جھٹلا ہو جاتے ہیں کہ جاہلیت کیا اس دور میں قرآن کی کتابت کے امکان کی صورت ہی کیا تھی؟ انہوں نے باور کر لیا ہے کہ عرب میں نہ لکھنے والے پائے جاتے تھے اور نہ لکھنے پڑھنے کا سامان اس وقت اس ملک میں موجود تھا، مگر کاش محترمین کا یہ رویہ صرف قرآن ہی کا مطالعہ کر لیتا تو اس کتاب میں بار بار رقی، قرطاس، بحیفہ، صنف، (۱) قلم، زبر، الواح، ہدا (دروشنائی)، اسفار، کتب وغیرہ، انغرض ایسی ساری چیزیں جن کا عموماً نوشت وخواند سے تعلق ہے۔ ”ان کے ذکر سے قرآن پاک آپ کو گریز نظر آئے گا۔ اور یہ تو لکھنے پڑھنے کے سامان کا حال ہے، باقی رہا لکھنے والے، سو سیرت ہوتی ہے کہ عرب کے (۱) رقی، قرطاس، بحیفہ، صنف ان چاروں الفاظ سے دو ادراک کم ہیں آئے ہیں جن پر ایام جاہلیت میں لوگ لکھتے تھے، جو پختی یا پار یکہ کہ لوگوں سے بنا کے جاتے تھے۔ ۱۲

اُس زمانے کے باشندوں کی طرف قرآن ہی میں:

”يَكْنُزُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ“

(البقرہ: ۷۵)

ترجمہ: ”نکلتے ہیں وہ لوگ کتاب اپنے ہاتھوں سے اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے

پاس سے آئی ہوئی کتاب ہے۔“

پڑھتے ہیں پھر یسین دین کے جس قانون کا طویل بیان سورہ بقرہ کے آخر میں پایا

جاتا ہے اور تاکید کے ساتھ قرضی معاملات کے نکلنے کا اصرار قرآن نے جو کیا ہے سو چتا

چاہیے کہ ان امور کا اعتبار ان لوگوں کی طرف کسی حیثیت سے بھی صحیح ہو سکتا ہے جو دوست

دخلاء سے قلعہ بچانے پر: آشنا ہوں۔“

قرآن میں جاہلیت کے معنی:

وہ جاہلیت کا لفظ ہمیں بیان کر چکا ہوں کہ یہ قرآن کی بنائی ہوئی اصطلاح ہے،

متعدد مقامات پر اس نے اپنی اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے۔ مثلاً مردوں اور عورتوں کی

مملوٹ سوسائٹی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:-

”وَلَا تَنْسُوا جُنَّ نِسْرُجِ الْبَيْتِ هَلِيَّةَ الْأُولَى“ (الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: ”اور نہ بھلاؤ نسر کر و جاہلیتِ اولیٰ، اہل کے: بناؤ سنہ کی طرح۔“

(۱) اسی سلسلہ کا مشہور لفظ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اب کے معنی قبیلہ، یہ نسلِ مطلق، سمجھ

تھے، جب آپ کے متوجہ کسی مسخری قبیلے کے دوسرے حریف عربی قبیلے ربیعہ کے ایک آدمی سپر نے بھی

نبوت کے جوہر کا اعلان کر دیا تو لکھا ہے کہ ”ضیاع المزی“ ”قبیلہ ربیعہ کا ایک سردار سپر (بہاؤ ہے)

یا عرب پر "نسل ولسانی" اور وطنی محسوس کا جو بصورت ہوا تھا۔ (۱) اس کی تعبیر "خروجہ النحاحیۃ" سے کی گئی ہے یا خدا کے متعلق ارنیال (ایکاسنگ) کو جنیت عام عربوں پر جو مسلط تھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

"يُظَنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْخَقِّ طِبُّ الْعَجَامِيَّةِ" (آل عمران: ۱۵۴)

ترجمہ۔ "اور خیانت رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ جاہلیت کے خیانات۔"

اب آپ ہی بتائیے کہ کسی جگہ پر بھی "جاہلیت" کے اس لفظ سے وہ مطلب سمجھا جاتا ہے جو اس زمانے کے جاہلوں اور ناواقفوں نے سمجھ رکھا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اسلام اور اسلامی تعلیمات نے مدتِ بلند میں عربوں کی خیر سلامی زندگی اخلاقاً اعتقاداً جو کچھ بھی تھی اور جن خصوصیتوں کی حامل تھی اور اصل اسی کی تعبیر قرآن جاہلیت سے کرتا ہے۔ بہر حال یہ بات کہ اسلام سے پہلے نوشت و خواندہ سے عرب کے لوگ چونکہ ناواقف تھے اس لئے ان کے زمانہ کو قرآن جاہلیت کا زمانہ قرار دیتا ہے یہ وہی کہہ سکتا ہے جو قرآن سے بھی جاہل ہے

= کے پاس آئے۔ گفتگو کے بعد ظہور کیا کہ میں کوئی دینا ہوں کہ تو (سیر) جہول ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ مگر اسی کے ساتھ چلنے لگا کہ وہ جہول کہ اب (جہول) صغر کے صادق و راست باز) سے مجھے زیادہ محبوب ہے، اس کے بعد صبر کے رشتہ میں شریک ہو گیا۔ (ص ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴

اور ایام جاہلیت کی تاریخ سے بھی۔

بیرونی شہادتیں:

قرآن کی ان اندرونی شہادتوں کے اجمالی بقدر ضرورت تذکرہ کے بعد اب میں بیرونی شہادتوں کی طرف پڑھنے والوں کی توجہ متعطف کرانا چاہتا ہوں۔ اس موقع پر سب سے پہلے شیخ فاضل "علامہ طبری" کے خیالات کا پیش کرنا مناسب ہوگا جنہوں نے اپنی تفسیر "معجم البیان" میں لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے۔

"إن العلم بصحة نقل القرآن كالعلم بالبلدان والحوادث
الكبار والوقائع العظام والكتب المشهورة." (مقدمہ روح المعانی،
ج ۱۰، ص ۲۳، مجمع مکتبہ اسلامیہ، پاکستان)

ترجمہ: "یعنی قرآن اپنی اصلی حالت کے ساتھ گزشتہ نسلوں سے منتقل ہوتے ہوئے پچھلی نسلوں تک پہنچا ہے، اس واقعہ کے علم کی نوعیت وہی ہے جو بڑے بڑے شہروں یا مشہور حورث اور اہم تاریخی واقعات یا مشہور کتابوں کے علم کی ہے۔"

بلاشبہ واقعہ یہی ہے، آج نئی دیرگاہ اور زندان کے وجود میں شبہ یا شک جیسے جنون ہے یا جنگ عظیم کے حادثہ کا منکر یا گل سمجھ جائے گا۔ یقیناً متواتر اور متواتر ہونے میں محض یہی حال قرآن مجید کا بھی ہے، یہ ایک واقعہ ہے کہ تیرہ سارے تیرہ سو سال کی اس طویل مدت میں ایک لمحہ کے لئے نہ مسلمان ہی اس کتاب سے جدا ہوئے اور نہ یہ کتاب ہی مسلمانوں سے جدا ہوئی جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سپرد کر کے دنیا سے تشریف لے گئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مسلمانوں کے سپرد اس کتاب کو کیا تھا، ان کی تعداد

لاکھوں سے تجاوز تھی پھر ان ہی لوگوں نے اپنی بعد کی نسلوں تک اسے پہنچایا جن کی تعداد بلا
مبالغہ کروڑوں سے بھی آگے بڑھ چکی تھی اور یونہی طبقہ بعد طبقہ نسلان بعد نسل نوشت وکتوبہ
شکل میں یہ کتاب مسلمانوں میں منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے، پس یہی بات یہی ہے کہ قرآن تو
قرآن ایسی کتابیں جیسے نحو میں ”سیبویہ“ کی یا اصول میں ”امرونی“ کی کتاب ہے بقول
”علامہ طبری“ کے:-

”لو ان مدخلا دخل فی کتاب سیبویہ ما با من النحو لیس

من الکتاب لعرف و کذا القول فی کتاب المرنی۔“

(روح جس: ۲۴، ج: ۱)

ترجمہ: ”اگر سیبویہ اور مرونی کی کتابوں میں کوئی شخص اپنی طرف سے کسی چیز کو
داخل کر دے تو فوراً یہ بات پہچان لی جائے گی۔“

تو پھر قرآن میں اضافہ یا کمی کے امکان کی بجائے کیا صورت ہے، اسلامی ممالک
کے کسی ابتدائی کتب کا ایک بچہ بھی اس شخص کو نوک سکتا ہے جو تھو (ذہر) کی جگہ کسی حرف کو
رفع (پیش) کے ساتھ پڑھے گا جس کا جی چاہے اس کا تجربہ ہر جگہ کر سکتا ہے۔

تواتر اور تواتر کے اس عام فقرہ کے سوا قرآن کے جمع وترتیب کے سلسلہ میں
بیرونی روایتوں کا جو ذخیرہ پایا جاتا ہے ہرے نزدیک ان کی دو تیس ہیں۔ ایک حصہ تو ان
روایتوں یا شہادتوں کا ہے جن سے قرآن کے بعض اجمالی بیانات یا شہادتوں کی شرح ہوتی
ہے۔ ہم پہلے انہی کا ذکر کرتے ہیں۔

تشریح روایات :

مطلب یہ ہے کہ قرآنی آیات کا نزول وقفہ وقفہ سے نہ رہا جو ہوتا رہا آپ ﷺ کے چکے ہیں۔ یہ خود قرآن کا دعویٰ ہے اور ایک سے زائد مقام پر اس دعوے کا ذکر خود قرآن ہی میں کیا گیا ہے۔ اس دعوے کی تفصیل روایوں میں یہ سنی ہے کہ قرآن کی ایک سو چودہ (۱۱۴) سو ربوں کی حیثیت پر اصل مستحق کتابوں پر ان لوگوں کی قراردی گئی تھی۔ مثلاً ان کو یوں سمجھیں کہ تاریخ، فلسفہ، اتھدیس، طب اور جغرافیہ وغیرہ مختلف علوم و فنون کی کتابوں کو آپ ہی مصنف اور تصنیف کرنا شروع کرے اور تصنیف میں یہ طریقہ اختیار کرے کہ جس کتاب کا نزول اور فراہم ہوتا ہے اس سے متعلق کتاب میں درج کرنا چاہ جائے اور یوں آہستہ آہستہ دس دس برس میں آگے پیچھے اس کی یہ ساری تصنیفیں ختم ہوں۔ وقفہ یہ ہے کہ کچھ بھی کیفیت قرآنی ۱۴ ربوں یا ان مستحق رہنماؤں کی ہے۔ (۱) جن کے مجموعہ کو ہم قرآن کہتے ہیں۔

(۱) قرآن ہی میں یہ جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف کرتے ہوئے یہ جو فرمایا ہے :
 وَنُزِّلَ مِنَ الْقُلُوبِ نَزْلًا فَخُفِّفَ مَطْهَرًا فَخُفِّفَ فِيمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (۱۴۰۴) (اللہ کی طرف سے پاک
 آتے ہیں پڑھتے ہیں)۔ صحیفوں کو جن میں امتداد و مضبوطی ازوال (حکیم روای) کتاب میں ہے۔ اس
 میں "کتاب" کے مفاد کو "کتاب" ایک نسخہ قرآن کا قطعاً علی خلاف روایت نہیں ہے اور مراد ان سے
 قرآن کی بھی امتداد کتابیں یا رسالے ہیں جنہیں ہم سطور قرآن کی سورتیں کہتے ہیں تو ان کا ذکر کیا کوئی
 معقول وجہ دے سکتی ہے۔ بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ صحیف میں کتابوں کے ہونے کی ترکیب میں ان لوگوں نے جو
 دشوار یاں پیدا کرنے کے طریقہ کو درجہ کار چاہتے تھے ان میں ان کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی صرف
 سیدھا ترجمہ یہ ہو جا رہا ہے کہ پاک اوراق جن میں استواء اور تنظیم کتابیں یعنی سورتیں بھی ہوئی ہیں۔ ۱۴
 (مطالعہ سن گیلانی)

تدریج تفسیر (۲۳) سال میں ان سب کے نزول کا سلسلہ مختصراً ہوا۔ ان سورتوں میں کوئی سورۃ اللہ تم تک پہنچی، اور کوئی بعد میں۔ یہی مطالب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کا ہے جو ابوالواقہؓ کی ورت مذکورہ میں پائے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:-

”ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان معاً یاتنی علیہ

الزمان ینزل علیہ اسور ذات العدد“ (مختصر کنز العمال

بہرحاشیہ مسند احمد ج ۲، ص ۳۸، طبع الکتاب الاسلامی بیروت طبع ۱۳۸۵ھ)

(۱۰۹۵)

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد ذرات آتی رہتی تھیں یعنی ایک

نئی زمانہ میں مختلف سورتوں کے نزول کا سہرا دیا جاتا تھا۔“

اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ ذرات العدد (شعور) سورتیں

تھیں جسکی طور پر جو نازل ہو رہی تھیں ان کے ٹکڑے اٹے اور قلم بند کرائے کا طریقہ یہ تھا:-

”وکان اذا نزل علیہ الشئ یدعو بعض من کان بحکب عنده

لیقبل عنہ، ہا، افی المویۃ النبی یدکو فیہا کذا وکذا“ (۱)

(مختصر کنز العمال: ۲، ص ۳۸)

ترجمہ: ”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی چیز نازل ہوتی تو جو کتبہ جانتے

تھے ان میں سے کئی کو آپ حسب فہم تے اور کہتے کہ اس آیت اور اس سورۃ میں لکھو

(۱) ابوداؤد: ج ۱، ص ۳۵۰ (طبع الدین دہلی بیروت ۱۴۰۵ھ) ترمذی: ج ۵، ص ۶۶۰ (طبع

الماغرب اسلامی تحقیق بشاد محمد، مشدک: ج ۳، ص ۲۳ (۱) ابوداؤد: ج ۵، ص ۶۶۸۔

جس میں غلاں یا تمیر یا آیتیں ہیں۔“ (۱)

مطلب وہی ہے کہ طب کے متعلقہ مضامین و طب کی کتاب میں اور تاریخ کے مواد و تاریخ کی کتاب میں مذکورہ بالا طریقہ تصنیف اختیار کرنے والا مصنف جیسے داخل آتا چلا جاتا ہے یہی طرح قرآنی آیات کو ان کی متعلقہ سورتوں میں، محضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریک کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم جبریل علیہ السلام دیتے تھے۔

جیسا کہ مضموم ہے خود قرآن ہی نے:

”وَلَا تَعْطَلْهُ بَيْنَ يَدَيْكَ“ (ملکوت، ۴۸)

ترجمہ: ”اور نہ لکھا ہے اس کو تم نے اپنے ہاتھ سے۔“

نی خبر دیتے ہوئے اس کا اکتشاف کیا ہے کہ صاحب امی صلی اللہ علیہ وسلم تلمذ نہیں جانتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خوش بگاہ اپنے صحابیوں میں سے جو یس سے اوپر حضرات کو اس کام کے لئے مقرر کر رکھا تھا کہ جس وقت قرآن لی جس سورۃ کی جن آیتوں کی وحی، بخورائشی کر ان کو بخود اپ کر میں۔ ”واعرف ان“ نے ”منظومہ“ حیرت میں ”ان“ ہا جنوں کے نام گناات ہوئے انھیں ابجد اہم مصرعہ سے کی ہے۔

(۱) اور سند احمد میں یہ نیت ہے: ”یٰۤاٰنْحٰصِرْتُمْ سَلِّ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ لَعَلَّہُمْ یَفْقَہُوْا“ انہی حواریوں میں سے جو کمال آئے اور کچھ سمجھ دیا کہ میں اس وقت کو، میں سورۃ کی ذراں یکہ پر نہیں (۱) ان سے بھی مضموم ہوتا ہے کہ سورۃ میں نازل ہونے والی آیتوں و جبریل علیہ السلام کے قلم سے ٹپ شریک کرتے تھے (۲) یہ محمد بن عبد اللہ (۳) میں ۴۵۰ ہجری میں اس کا مطلب یہی ہے۔ اور اور دلی: ”سہ سہی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ“ آیت جس سورۃ میں اس مقام پر ہے یہ کام بھی جبریل علیہ السلام ہی کے قلم سے ہوا ہے۔ ”مناظر احسن“

(۱) علامہ فضلی مجمع الزوائد ج ۱ ص ۴۸ پر یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”ابوہریرہ رضی اللہ عنہ“ و اسناد حسن یعنی امام احمد نے اسکو سند میں روایت کیا ہے اور اسکو سند حسن ہے۔ ”مجمع الزوائد“

۱۔ "کتابہ الثمان وأربعون" (۱۱)

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتابوں کی تعداد اٹھارہ یا بیس (۸۰) تھی۔"
کاتبوں کی اتنی بڑی تعداد مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وقت پر ایک نہ لے تو دوسرا
اس کو انجام دے۔ "عقد الفرید" میں ابن عبد رب نے حضرت حطلہ بن رافع (رضی اللہ
عنه) صاحبان کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے:-

"ان حطلة بن ربيع كان خليفة كل كاتب من كتابه عليه
السلام اذا غاب عن عمله." (عقد الفرید ج ۳، ص ۶۰، السرائب
الادوية، ج ۱، ص ۱۱۸)

ترجمہ: "حطلہ بن ربیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کتابوں کے خلیفہ اور
مائب تھے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حطلہ رضی اللہ عنہ کو یہ علم تھا کہ خواہ کوئی رہے یا نہ
رہے، مشرورہ جیسا کہ کاتبوں میں سے اللہ کا وقت پر اگر کوئی نہ لے تو کتابت جی کے کام
میں کوئی رکاوٹ نہ واقع ہو۔ اسی انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ نزول کے ساتھ ہی ہر قرآنی آیت قید
کتابت میں آکر قلم بند ہو جاتی تھی۔ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے طبرانی کے حوالہ
سے مجس الزوائد میں یہ روایت آئی ہے:-

"قالت كان خبير لي عليه السلام بعلي على النبي صلى الله
عليه وسلم." (رواه الطبرانی في الاوسط، ج ۶، ص ۲۸، ص ۲۸، ص ۲۸)

(۱) دیکھو انکس کی کتاب السرائب (۸۰) کتابوں کے، مجموعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔
اسی کتاب میں ابن ابی شیبہ (۸۰) کتابوں کے، مجموعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

المعارف ریاض ۱۹۹۵ء تحقیق محمود طمان . مجمع الزوائد ج: ۷، ص: ۱۵۷
ترجمہ: ”اس سلسلہ میں اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام قرآن مجید رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھواتے تھے۔“

بظاہر اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اترنے کے ساتھ ہی جبرئیل رضی اللہ عنہ السلام کے
سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ آیتوں کو لکھوا دیا کرتے تھے کیونکہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم جیسا کہ معلوم ہے کہ نہ لکھتا جانتے اور نہ قرآنی آیتوں کو خود لکھا کرتے تھے۔ انہی
اس احتیاط کی یہ بھی کہ جب ”عَبَسَ أُولَی السُّورِ“ کے الفاظ بطور اضافہ کے
”لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُونَ“ (النساء: ۹۵) والی مشہور آیت کے متعلق نازل ہوئے مگر
یہی اضافہ جو بقول امام مالکؒ حرف واحد کی حیثیت رکھتا تھا لیکن اس ای حرفی اضافہ کو بھی
اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم بند کرنے کا حکم دیا جس وقت وہ نازل ہوا۔
(دیکھو بخاری ج: ۲، ص: ۲۲۰ وغیرہ) امام مالکؒ نے ”حرف واحد“ اس کو پارہ دون سے
ملاقات کے وقت کہا تھا۔ (دیکھئے درمنثور ج: ۳، ص: ۲۳۱، طبع دار الفکر بیروت ۱۹۹۳ء)
احتیاط کا اقتضاء یہ بھی تھا کہ لکھوانے پر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قناعت نہیں فرماتے
تھے بلکہ کاتب جب لکھ لیتے تو آپؐ پر صراحت کرتے۔ کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی
اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

”فَإِنْ كَانَ لَهُ سَقَطٌ أَقَامَهُ“ (مجمع الزوائد ج: ۱، ص: ۶۰)

ترجمہ: ”اگر کوئی حرف یا نقطہ لکھنے سے چھوٹ جاتا تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم درست کراتے۔“

جب یہ سب کام پورا ہو جاتا تب اشاعت عام کا حکم دیدیا جاتا تھا پھر جبرئیلؑ

جانتے تھے لکھ لیا کرتے تھے اور زبانی یاد کرنے والے زبانی یاد کر لیا کرتے تھے۔ یہی مطلب ہے مزید کے ان الفاظ کا:

”لم اخراج به الى الناس“

ترجمہ: ”(یعنی جب کتابت صحیح وغیرہ کے سارے مراتب ختم ہو جاتے) تب ہم لوگوں میں اس کو نکالتے یعنی شائع کرتے۔“

مگر ظاہر ہے کہ ایسا زیر تصنیف متعدد کتابیں جو قرآنی سورتوں کے طریقہ سے تدریجی طور پر مکمل ہو رہی ہوں تو ان کے متعلق یہ خیال کہ وہ مسلسل لکھی جا رہی ہیں نہ ہوگا بلکہ قرآنی سورتوں کی آیات کے نزول کا جو حال تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے ان آیات کی حیثیت اس قسم کی یادداشتوں کی تھی جنہیں مصنفین اپنی پیش نظر تصانیف کے لیے پہلے جمع کرتے رہتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان یادداشتوں کو ان کی متعلقہ کتابوں میں ترتیب کے ساتھ درج کرتے چلے جاتے ہیں۔

”ازلہ التعماد“ میں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

”مثل آن کہ امروز منشی مشابہ عہود را یا شاعر لہذا

و مقطعات خود را در ہما ہما و سفینا در دست جماعۃ مضرفۃ

گذاشتہ از عالم رود۔“ (۱)

اور اسی سے ان دوروں میں کا مطلب سمجھ میں آ جاتا ہے جو اس سلسلہ میں پائی جاتی ہیں یعنی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے قرآن اس قسم کی چیزوں سے مثلاً رقام (چروا) کفاف (پتھر کی سفید پتلی تختیاں) کف (اونٹ کے مونہ سے کی گول ہڈی) اور

مسیب (کجیور کی شاخوں کی جز کا وہ کٹہرہ عریض، نصف جس میں کانٹے والے پتے نہیں ہوتے) یہ اور اسی کی جیسی چیزوں میں ٹھکرا جاتا تھا اور اسی کے ساتھ یہ روایت مستدرک حاکم میں پائی جاتی ہے یعنی بعض صحابہ رحمہ اللہ علیہم اجمعین فرماتے تھے کہ:-

”کنا عند رسول اللہ علی اللہ علیہ وسلم نزلت القرآن من

الرقاع“ (۱)

ترجمہ: ”ہم اب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر رقع (چرمی

قصاصات) میں قرآن کی تالیف کرتے تھے۔“

دو قوں روایتوں سے قرآن کی کتابت کے دو طبعی ماحولوں کا پتہ چلتا ہے یعنی پہلی صورت کے تعلق قویوں سمجھتے کہ شاعر اپنے مختلف اشعار کو جیسے وہ تیار ہوتے چلے جاتے ہوں چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر نوٹ کر دیتا ہے۔ پھر جب اس کام سے فارغ ہو جاتا ہے تب ان ہی پر دراشتوں سے اپنی غزلیوں کو مرتب کر دیتا ہے جس شعر کا جس غزل سے تعلق ہوتا ہے اسی میں اس کو داخل کر دیتا ہے۔ پھر یہاں پر یہ کہ کچھ بھی صورت قرآن کے تعلق اختیار کی گئی تھی، البتہ اتنا فرق معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ کاغذ وغیرہ معمولی چیزوں پر اپنے منتشر اشعار یا خیالات کو ابتداً بطور یادداشت کے لکھ لیا کرتے ہیں۔ گویا شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں یادداشت کے ان کاغذی ٹکڑوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ گو

”آن کاغذ ہمارا آب برسد نادور سے آتش بگبورد با حمال آں

بمجرد ماتمبہ آتش ذائب نابود گورد“ (ازالہ انشاء ج ۲، ص ۵)

(۱) مستدرک ج ۲، ص ۶۰۳، نیز یہ حدیث جامع ترمذی (ج ۶، ص ۲۱۳) وغیرہ دیگر کتب

حدیث میں بھی ہے۔

ترجمہ: ”یعنی اگر پانی کاغذ کے ان ٹکڑوں میں پھینک جائے یا آگ لگ جائے یا جس کے پاس کاغذ کی یادداشتیں ہوں وہ مر جائے تو اس طرح نہ بد ہو جائیں جیسے مگر شکل بد ہو جاتا ہے۔“

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غایت احتیاط سے کام لیتے ہوئے وحی کی ان ابتدائی کتب پر یادداشتوں کے ٹکڑوں کے لئے ایسی چیزوں (۱)

(۱) لیکن عام طور پر جب بات یہ ہے کہ جن الفاظ میں ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے زجر میں اپروائی سے لوگوں نے کام لیا جس سے غلط فہمی پھیل گئی۔ پس چاہتا ہوں کہ کوئی پراسکے کہ اسلوں میں اپنے جمر کے ٹکڑوں پر لکھتے ہیں یہ بدعت متانی مذہم میں لکھتے یا جو صرف قرائن کو بیان کرتے ہوئے لکھا جائے کہ تازہ کے ہڈوں پر لکھا کرتے تھے کیا یہ واللہ کی صحیح تعبیر ہوگی؟ کیا اسلوں میں سیٹ پر لکھنے کا بد رواج ہے۔ جہاں کے کفر۔ کہ ان کی صحیح تعبیر ہے۔ اسی طرح بدعت متانی قدیم میں تازہ کے ہڈوں پر لکھا جاتا تھا جن کو اس نے خود اپنی آنکھوں سے ہڈوں کے ہڈوں پر لکھی ہوئی کتابوں کو لکھتا تھا۔ لکھا ہے صحیح ترازو مثلاً یہ ان کو اب بھی واللہ کی حقیقی نوعیت یا نہیں ہو سکتا لیکن یہی بات یہ ہے کہ کاغذ کے اور کسی سے زیادہ بہتر اور صاف طریقہ سے تازہ کے ہڈوں پر لکھ جانا تھا۔ چاہے متناہ میں اس طرح کا طریقہ تھا۔ یہ کتابیں موجود ہیں جو تازہ کے ہڈوں پر لکھی گئی ہیں، دیکھ لوگوں کی آنکھیں کل نہیں، البتہ جو اسی قسم کا مخالفان چیزوں کے مصنف جو عوام میں پھیلا ہوا ہے جن پر قرآنی وحی کی ابتدائی یادداشتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھوا کرتے تھے۔ مشہور روایت ہے کہ حضور کی شاخوں کا بعض یہ کہہ دیتے ہیں کہ کھجور کے ہڈوں یا جھروں یا ہڈیوں پر قرآن لکھا جاتا تھا۔ سو پتی بات غلطی کہ کھجور کے ہڈوں پر لکھ کر کی شرح میں بھی اتنی گنجائش کہاں ہوتی ہے جس پر ہر دو طرف کی لکھی جاسکے۔ اسی طرح جن گھڑے ہتھیر یا بڑی بڑی ہڈیوں پر لکھنا یہ آسان ہے تو یہی سب سے بڑا نقصان ہے اس کتاب کی گنجائش کی حد یہ ہے کہ ہر جگہ میں ادیکہ، ذلک، ایک، عسیب، اذق، کے الفاظ آئے ہوئے ہیں۔ ادیکہ بار ایک کمال ہے۔ باطلت کے لکل سے تہہ ہوتا تھا۔ عرب جو ایک گوشت دار کتبہ کافی ذخیرہ اور ایمان کے یہاں یہ تھوڑی سی (بہارنی ہے)

کا انتخاب فرمایا تھا جن کے متعلق یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ عام حوادث و واقعات کا نسبتاً زیادہ مقابلہ کر سکتی ہیں۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خلافتِ صدیق میں حکومت کی طرف سے زید بن ثابت صحابی رضی اللہ عنہ نے قرآن کا ایک نسخہ جو تیار کیا جس کا تفصیلی ذکر آگے آ رہا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھائی ہوئی یہ ساری یادداشتیں بالکل جوں کی توں اپنی اصلی حالت میں ان کو مل گئی تھیں۔ مکتوبہ یادداشتوں کے اس اجبار سے یہ عجیب بات ہے کہ دس پانچ نہیں بلکہ وہ تین بھی نہیں صرف سورۃ برأت کی آخری حصہ کی ایک یادداشت جس میں صرف وہ آیتیں تھیں یہی اور فقہ یہی ایک یادداشت وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اس پورے ذخیرے میں ان کو نمل سکا۔ لیکن خابر ہے کہ مکابہ کریم رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سینوں میں اور ان کے ذاتی مکتوبہ قرآنی نسخوں میں یہ آیتیں موجود تھیں بلکہ بطور وظیفہ کے ان کے پڑھنے سے = خیر تک صرف اویح کے چروں سے تیار کیا جاتا تھا۔ مخالف: ہر معمولی پتھر کو نہیں کہتے تھے بلکہ بالاحاق اول لغت نے لکھا ہے کہ سفید رنگ کی پتلی مٹی چرزی چرزی تختیاں پتھر سے بنائی جاتی تھیں۔ سلیت اور ان میں فرق کو یا صرف رنگ کا ہوتا تھا اسی طرح اونٹ کے صوطے کے پاس کی گول ہڈی پتھری کی طرح بن جاتی ہے۔ اس کو خاص خریدتے سے تراش کر نکالا جاتا تھا۔ کانٹے کے عمل میں بھی شکاف وغیرہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ رو جاتا تھا (دیکھو مستند احمد کی روایت از زید بن ثابت صحابی رضی اللہ عنہ ص ۱۵۱) اسی لئے "لِطَعْمَةِ مِنَ الْكَتَفِ" بھی اسی کو کہتے تھے (مجمع المزاہد ج ۱ ص ۶۰) مسبب کجیور کی شاخ کو نہیں بلکہ پام قسم کے تمام درختوں کی شاخوں کا وہ حصہ جو تنے سے متصل ہوتا ہے اس میں کافی کشادگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جڑ، ماریل کی شاخوں میں ان کو آپ دیکھ سکتے ہیں عرب کی کجیور کی شاخوں کا یہ حصہ قریب قریب ہندوستان کے ماریل کی شاخوں کے اس حصہ کے برابر ہوتا تھا۔ اس حصہ کو شاخ سے جدا کر لیا جاتا تھا اور ان ہی ٹکڑوں کو خشک کر کے ان پر لکھتے تھے۔ اثناب: قحب کی جمع ہے، اونٹ کے کھادہ میں چھوٹی بھلیاں جو استعمال ہوتی ہیں ان کو کہتے ہیں۔ یہ چڑے چڑے پتلے پتلے ٹکڑوں کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ نہ وہ لکڑی کے تلخے تازگی کی وجہ سے عموماً کھررے ہوئے ہیں اور پرانے کھادوں (جاریں) ہے

معلوم ہوتا ہے کہ عام رواج بھی تھا۔ (۱)

بہر حال اس وقت تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہی ایک ٹکڑے کے سوا جس میں سورہ برأت کی دو مشہور وردی آیتیں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھائی ہوئی تمام ابتدائی یادداشتوں کا خلاصہ صدیقی کے زمانہ میں مل جانا خود بھی ایک ایسا واقعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی چیزوں پر ان کے لکھنے کا انتظام کیا گیا تھا جو اتنی طویل مدت یعنی چوبیس یا پچیس سال تک حوادث و واقعات سے محفوظ رہ سکیں اس لئے کہ نزول وحی کی ابتداء سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اس عہد تک جس میں قرآن کے متعلق

= میں احمد اور ماہ سے ان کا گھر دراپنٹ جاتا تھا۔ لکھنے کے کام کے باسانی جبر نے سے وہ بن جاتے تھے۔ تاہم جامع کو ان تفصیلات سے جو تا واقعہ ہوگا وہ ان عام پھیلے ہوئے الفاظ سے اگر مکمل بنی کا خیال ہو جائے تو کیا بعید ہے۔ مولانا غیبانی کی کتاب میں مبسوط بحث ان کتابی مواد پر کی گئی ہے۔ میں نے اسی کا خلاصہ یہاں درج کیا ہے۔ ۱۲

(۱) ابورافد (ج: ۵، ص: ۱۱۰) وغیرہ صحاح سے کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس باب میں جو مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ برأت کی آخری ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابیوں سے فرمایا کرتے تھے کہ صبح و شام جو آدمی ان کی تلاوت سات (۷) مرتبہ کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی مشکلات اس کی برکت سے حل کر دیں گے۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن آیتوں کی یہ خاصیت بیان کی ہو، کون ہوگا جو معلوم ہو جانے کے بعد ان سے مستفید نہ ہوگا ہوگا۔ اس سلسلہ میں بعض ملکی تجربات بھی لوگوں کو سمجھا رہے ہیں کہ زمانے میں ہوئے تھے۔ محمد بن کعب نے اس فوجی مجرم کا ذکر کرتے ہوئے جس نے روم کے حاکم پر حملہ کیا تھا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک فوجی سپہ سالار کی بابت فوت گئی اور اس میں بے چارے ایک مہینے کے واسطے میں کسی نے ان کو سورہ برأت کے انجیل الفاظ کا تحفہ بنا کر رکھا کہ اسی کو بچ کر لے کر لوٹے ہوئے متاں کو بھیجا کر دیکھا ہے کہ اس کی تعداد تین ہوئی، چنانچہ ایک ان کی درست ہو گئی اور اسی درست ہو گئی کہ کھوئے پر سوار ہو کر فرات میں پھرا کر ملی گئے۔ (دیکھو درمنثور ج: ۳، ص: ۳۳۳)

حکومت کے حکم سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کام کیا، اتنی سختی سے ہوتا چاہیے۔

بہر حال اہم وجہ بلیت کی تہمت سے جوہ نہیں ہیں ان کا یہ قبول تصد بے بنیاد ہے کہ لکھنے کے سامان کی کمیابی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی ابتدائی یادداشتوں کو اس قسم کی چیزوں یعنی ہڑے یا لحاف (مٹی، باریک ٹھیکٹوں)، عسب (شانخ) خرما کی جڑا، عیش حصہ (کھف (شانخ شتر)، وغیرہ پر لکھ لیا کرتے تھے، یقیناً یہ وہی کتبہ مکتا ہے جسے جہلی عرب کے متبع حالات کا علم نہیں ہے، تفصیل تو آگے آرہی ہے کچھ نہیں تو ابھی متذکرہ حاکم کی جو روایت تذری جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی آیات کی کتابت کے پہلے مرحلہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روکر، چٹو کر رقاہ میں بھائی قرآن کو جمع کرتے تھے اور رقاہ میں کتبہ کے معلوم ہے رقعہ کی جمع ہے، یہ چڑے کے خاص قسم کے ٹوڑے ہوتے تھے جو کھینچنے سے نیچے کیے جاتے تھے کویا پارچہ (PARCHMENT) جسے عربی میں رق کہتے ہیں اسی کی تمیز رقاہ کے اقد سے کی گئی ہے یا پارچہ جسے عربی میں کسی خاص قسم کا رقعہ کہتے تھے۔

آخر اس وقت رقاہ (۱) سے بھی کام لیا جاتا تھا۔ ابتدائی کتابت کے وقت بھی

(۱) لغت کی کتاب 'مجمع البحار' میں 'رقاع' کی تفسیر کرتے ہوئے ایک اور نئی حدیث بھی نقل کی ہے جس میں یہ مذکور کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ کھڑے ہوں گے 'وعسی دفعہ رقاہ بحلق' پھر اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے 'أولاد بنو قحط ماعلم من الحقوقي المصنوع في الرقاہ' ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ رقعہ میں وہی ہوتے تھے جہاں ان کے قیامت کے دن ان صحابہ کے وظائف و اپنی اپنی گزشتوں میں ہمارے نمودار ہیں گئے اور ان کی بات کے یہ وظائف رقاہ میں لکھے ہوں گے جس سے معلوم ہوتا ہے 'دفاع کا یہ لفظ جو تفسیر میں ہے اس نے تفسیر (جہاں نہ)

لیہ بھی درکار نہیں مل سکتا تھا۔ حیرت ہوتی ہے کہ قرآن ہی میں لوگ یہود کے تعلق:

١٠ كَمَلْتُ لِحِمَارِي خَيْلَ الْخَفَارِ. (المجموع: ٥)

ترجمہ: "ان کی مثال اس سے ہے جو کتابیں لادے۔"

اور ان جیسی دوسری آیتیں پڑھتے ہیں، اور ان کے ساتھ یہ بھی باہر کیے جاتے ہیں کہ عرب کتابی ساز و سامان سے بالکل غالی تھا۔ یہودیوں کو رکھنے کے لیے حکامان مل سکاتھا کہ محمد بن کر اس کا جوابی جیل پر مادیہ دے سکتے تھے لیکن پیغمبر کو قرآن کے چند اور ناس کے لئے وہی چیزیں نہیں مل سکتی تھیں جن پر دوسرے براہم یہ کہہ میں لکھا کرتے تھے۔

”فَالَكُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ“ (البقرہ: ۳۶)

انھیں یہ کہ عرب کے ایامِ جاہلیت کی تاریخ سے جو وقف میں وہ جاتے ہیں کہ اس ملک کے شمال و جنوب (ایسا کتب خانوں کے مختلف مراکز پائے جاتے تھے جس کی تفصیل یہاں ملاحظہ نہیں ہے) بہرحال ان تاریخی روایت کی روشنی میں قرآن کے اجالی

= بات کہہ دینا کہ اس پر تھے جاتے تھے۔ عرب کا نام و تورات کا دیا کاغذ کے لٹکا ہوا حال اس وقت اور
 جس ہے ہند۔ رُفَعہ کا غلط اردو میں بھی آج تک غلطی ہوتی ہے کہ ان کے لئے بولا جاتا ہے۔ (دیکھ کر جمع

پیشہ راجہ ۲۰۱۳ء میں ۳۶۳)

(۱) "من میں بیوی اور بیٹا کی نہ رہ چلا، اور بڑے بڑے حج حج یوں قائم تھے، ان میں ان نہ رہا۔" کا لفظ "جر" اور اس کی بے شائبہ تفسیر، پائی جاتی تھیں۔ نہ صرف گرجوں میں بلکہ مہوم ہوتا ہے کہ انفرادی طور پر بھی عام، نیمہ و دھارنی کے پس تباہوں کا کالی، خیر و ہتھاقا۔ گھب اجباری کا حال قدرت جون سعد (ج نے ص ۵۵) وغیرہ میں دیکھیں جس سے میرے اس بیان کی توثیق ہوگی کہ طرح تہاں حب میں مجھے بیوں کا مرزا تھا جہاں ان کے دین کی منقش کثرت ملی تھیں خواہ میں مذکور کے قریب مقدم "تف" میں یہودیوں کا بیت الی، ان یا ہر وہ تھا جس میں تاریکی شہادتوں سے "مطلو" ہو گیا کہ نہ میں ہی چھین۔ (۱۰) عن طرہ من سالی (۱)

بیان کی یہ تشریح پیدا ہوتی ہے کہ قرآن کی ہر آیت کو ایک نو اس وقت لکھ لیا جاتا تھا جس وقت وہ نازل ہوتی تھی پھر ہر ہر صورت مرتب ہونے کے بعد جس حد تک پہنچ جاتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابیوں کو لکھوا دیتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر قرآن لکھنے کے جس کام کا ذکر مستدرک حاکم والی روایت میں کیا گیا ہے اس میں کتابت قرآن کی اسی دوسری منزل کا چہ ان الفاظ میں جو دیا گیا ہے کہ وہ ”ہم تالیف کرتے تھے“ صحابہ کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف سورتوں میں جدید اضافے و نقص کے ذریعہ جو ہوتے رہتے تھے ان اضافوں کو متعلقہ سورتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کے سامنے بیٹھ کر جوڑتے تھے اور یوں نہ رہا قرآن کی ان سورتوں کے وہ نسخے جو صحابہ کے پاس جمع ہوتے چلے جاتے تھے مکمل ہوتے رہتے رہے۔ (۱)

(۱) مستدرک حاکم کی تفسیر بالارواہیت یعنی صحابی کا بیان ”کننا جلوسا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الوقائع“ (ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھ کر قرآن کو رقعہ میں تالیف کرتے تھے) اور اسی میں تالیف کرنے کا جو ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف نقل نہیں کرتے تھے بلکہ جن جن سورتوں کی متعلقہ آیتیں اس وقت تک نازل ہو چکی ہوں گی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کی سورتوں کے ان مقامات پر ترتیب دیکر لکھا کرتے تھے جہاں پر ان کو ہونا چاہیے تھا، یہی نے بھی تالیف کا مطلب یہی لایا ہے لکھا ہے کہ ”السراد فالیف ما نزل من الایات المفسرۃ فی سورہا وجمعہا فیہا بإشارة الی صلی اللہ علیہ وسلم“ (ما شیخ بخاری ج: ۲، ص: ۳۵۷، مطبوعہ ہند) جس کا حاصل (وہ ہے جو میں نے عرض کیا۔ اس کثرت سے صحابیوں نے بروایت قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا تھا کہ محدثانی میں جب حکمت کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ جس جس کے پاس پورا قرآن یا اس کی سورتیں ہوں تو ان کو لے کر حاضر ہوں تو بیان کیا جاتا ہے کہ لوگوں نے الا کر جمع کر، شروع کیا ”فکان السر جمع یعنی (جاری ہے)

ہیں۔ یہی نہیں کہ قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین صرف زبانی یاد کر لیا کرتے تھے، بلکہ جو لکھا جانتے تھے وہ مختصر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر جیسے جیسے سورتیں مکمل ہوتی چلی جاتی تھیں ان کی نقل بھی لیتے چلے جاتے تھے اور مختصر کی فضاء کے مطابق ان کو مرتب کرتے جاتے تھے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے جس وقت تشریف لے گئے تو صحابہ کے سینوں میں بھی دوران کے سفینوں میں بھی قرآن محفوظ تھا۔ سینوں کی حفاظت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ عہد نبوت ہی میں ہر مومن کا واقعہ پیش آیا تو جیسا کہ بخاری میں ہے کہ شہید ہونے والوں کی تعداد ستر (۷۰) کے قریب تھی۔ دعوہ دے کر کفار نے ان کو قتل کر دیا تھا اور یہ سارے کے سارے قراء یعنی حافظ قرآن تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کل ایک سال بعد عرب کی ایک مقامی یورش کو دبانے کے لئے عہد صدیقی میں یمامہ (نجد) فوجی دستہ بھیجا گیا تھا لیکن اللہ کا کثیر تعداد شہید ہوئی، اس میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کے حفاظ کی تعداد

= بالورقة والادیم اہد القرآن (یعنی لوگ ورق اور ہموے میں لکھے: دے قرآن کے ساتھ ماہر ہوئے) اسی میں یہ بھی ہے کہ "حسبى جميع من ذلک کثرۃ" (یعنی بہت بڑا خیر و جمع ہو گیا) بہر حال کہنے کی بات یہ ہے کہ جب یہ سارا ذخیرہ جمع ہو گیا تب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ روایت ہے "لقد عاہم رجلا رجلا فاشدہم اسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو ائمنہ علیک فیقول معہ (کنز العمال ج: ۲، ص: ۵۱) یعنی آئیے ایک آدمی (یعنی صحابی) لاتے اور قسم دے دیکر فرماتے کہ واقعی تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سن کر لکھا ہے۔ صحابی تو یہ کہ ہاں اس سے اندازہ دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں قرآنی سورتوں کی ایسی تقسیم تھی کثرت سے صحابہ میں پھیل چکی تھیں جو براہ راست خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کس جوتی تھیں۔ ۱۳ (منظر حسن بیانی)

سات سو (۷۰۰) قس جیسا کہ بخاری کے حاشیہ میں ہے:-

”کَانَ عَدَدُ مَنْ قُتِلَ مِنَ الْفُرَّاءِ مِثْعَةً“ (رج: ۲، ص: ۷۳۵)

ترجمہ: ”قرآن کے حفاظ اس جنگ میں جتنے شہید ہوئے تھے ان کی تعداد سات سو تھی۔“ (۱)

ایک معمولی مقامی مہم میں شہید ہونے والوں کے اندر خیال تو کیجئے کہ جب سات سو (۷۰۰) صحابی ہوتے تھے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ میں کتنی زیادہ تعداد حفاظ کی پائی جاتی تھی اور یہی حال مکتوبہ نسخوں کی کثرت کا معلوم ہوتا ہے جو ان ہی صحابیوں کے پاس موجود تھے۔ کہ ابتدائی زمانہ ہی میں کون نہیں جانتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہا سلام میں اسی وجہ سے داخل ہوئے تھے کہ ان کی بہن قرآن پڑھ رہی تھیں۔ انہوں

(۱) اس تعداد پر تعجب نہ کرنا چاہیے عام تاریخوں مثلاً طبری وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہزار اور کئی سو آدمی مسلمانوں کی فوج کے ساتھ اسی مہم میں شہید ہوئے تھے، شہداء میں بڑے بڑے لوگ مثلاً سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے تعلق بھائی زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس جنگ میں کام لےئے۔ قرآن کے حلق حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ کو خاص خصوصیت صحابہ میں حاصل تھی۔ بخاری (رج: ۳، ص: ۲۹۱) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن چار صحابیوں سے قرآن پڑھنے کا حکم عام مسلمانوں کو دیا کرتے تھے، ان میں ایک سالم ہی تھے، طبری وغیرہ سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ سالم کے ساتھ جو فوجی دستہ تھا وہ اہل القرآن کا فوجی دستہ سمجھا جاتا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے سالم ہی سے قرآن پڑھا تھا اور دستہ کے ساتھ سب ہی شہید ہوئے تھے، حضرت سالم تپتے بھی تھے کہ ہم قرآن والے لوگ ہیں پیچھے ہٹ نہیں سکتے اور واقعہ یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم براہِ راست لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے، صحابی بیان کرتے ہیں کہ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو قرآن یاد کراتے تھے، خود صحابہ پر بھی قرآن کے سیکنے پڑھنے اور یاد کرنے کا جو بہ پتہ چلتا ہے (بخاری ہے)

نے اس کو چھیننا چاہا تو یمن نے انکار کر دیا۔ یہ واقعہ مشہور ہے اور سب جانتے ہیں۔ (۱) کچھ نہیں تو ابتداء اسلام کا بھی ایک واقعہ اس عامیاد خیال کی تردید کے لئے کافی ہے کہ ابتدائی صحابہ کرام میں سے کچھ ایسے تھے جن کا خیال یہ تھا کہ قرآن میں صرف یہ تھا کہ قرآن جس کو زیادہ یاد ہو وہی امام بنایا جائے گا اور شہیدوں میں دفن کے وقت اسی کو سپنے دفن کیا جائے گا۔ پھر قرآن کے یاد کرنے میں زیادہ سے زیادہ تھا۔ عرب کا بارغ مابہ مشغلوں سے اس وقت حال تھا۔ اہلی بیس اب میں جب یہ امر کی تو سب سے پہلے انکی بھانے کے لئے ان کو قرآن ہی ملے، مابہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن ان کے سینوں میں اس طرح جوش مارتا رہتا تھا جیسے کھلنی بند یا جوش مارتی ہے جہاں کہیں ایک جگہ چند سواری جمع ہو جاتے تھے تو لوگوں کا بیان ہے کہ وہی کہہ دی اعلیٰ (شہد کی بھٹی کی جھنڈا ہٹ) کی آواز کو بجے لگتی تھی۔ یعنی قرآن کا وہ ہر ایک شروع کر دیتا تھا ان حالات میں جس پر کیوں تعجب کیجئے! مگر یہ امر کی نزائی میں سہت سورق ان کے خلاف شہید ہو گئے۔ واقعہ کی اہمیت ہی کا قضا تھا تو ہوا اور اس عظیم سانحہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرآنی سورتوں کی شیرازہ بندی پر امر اور کے ساتھ آمادہ کیا۔ ۱۲ (مناظر احسن مہملاتی)

(۱) سیرت ابن ہشام میں ہے کہ یمن کی زد و کوب سے قاریغ ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں شرمندگی کی محسوس ہوئی اور یمن سے بولے "اعطینی الصحفۃ النبیۃ مسحکم تغلوزنہا" (س ۱۱۷ ج ۱، بروضی الاصف) یعنی برمجید (کتاب) تم لوگوں سے میں نے سنا پڑھتے ہوئے مجھے دے۔ اس پر ان کی یمن نے کہا "تم نیاک ہوا لیکھا حالت میں اس کو چھو نہیں سکتے۔" "فما حصل فاعطیہ الصحفۃ" تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا ایمان کی یمن نے میفان کو دیا۔ میفدینے کے اس قصہ کا ذکر علاء سیرت کی کتابوں کے مدار قفس کی سن میں بھی ہے۔ البتہ بجائے قفس کے اس میں وضو کرنے کا ذکر دیا گیا ہے۔ بہر حال "ثم اخذ الصحفۃ" کے الفاظ اس روایت میں بھی ہیں۔ "روحو الانف" میں لکھا ہے کہ اس مجید میں صرف ایک سورۃ طہ ہی نہیں تھی بلکہ طہ کے سوا کابھی پچہ چتر تھے۔ بعض راویوں میں ہے کہ "اذا الشمس کورت" کی سورۃ بھی اس مجید میں تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی یمن سے لے لیا کر پڑھا تھا۔ (دیکھو ج ۱، ص ۲۱۷، بروضی الاصف سہلی)

یادداشتوں کے سوا قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کتابی شکل حاصل نہ کر سکا۔ کبھی عجیب بات ہے کہ سلطان عورتوں تک کے پاس قرآن کی نقلیں نہ مقررہ تھیں۔ جب یابی جاتی تھیں تو زمانہ جیسے آگے کی طرف بڑھا کوئی وجہ ہو سکتی تھی کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی نقل نہ حاصل کرتے ہوں، ذرا خیال تو کیجئے کہ بخاری (ج: ۱، ص: ۳۴۰) وغیرہ میں لوگ یہ بھی پڑھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہوں کو منع فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کو لے کر دشمن کے علاقہ میں نہ جایا کرو، اگر مکتوبہ شکل میں قرآن کے نسخے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس موجود ہی نہ تھے تو اس حکم کے معنی کیا ہوں گے اسی طرح روایتوں میں ہے کہ ناظرہ (۱) یعنی دیکھ کر قرآن کے پڑھنے کا ثواب رسول اللہ فرماتے تھے کہ زیادہ ہے، کیا اس حکم کی تعمیل مکتوبہ قرآن کے بغیر ممکن تھی۔ پس واقعہ یہی ہے جیسا کہ صحابہ خود ہی بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے کر وہ قرآن کی نقل حاصل کیا کرتے تھے اور وہیں بکثرت قرآنی سورتوں کی نقلیں سمجھا رہے

(۱) مثلاً حدیثوں میں ہے کہ عکرمہ روایت کیا کہ قرآن پڑھنے کا ہر وہی قدر بلند ہے جتنا کہ فرض نماز اور نفل نماز پر فضیلت حاصل ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ رسول کو جو دست رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ قرآن کو صحت میں پڑھے اور یہ روایتیں جو صحابہ کی عام کتابوں میں پائی جاتی ہیں محرومی (۱) کی دو روایتیں روایت میں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غری غلبہ میں جب اس مقام پر پہنچے یعنی فرما رہے تھے کہ لوگوں! تم اس کے ہم نوا بنو یا جائے اس کو حاصل کرو اس پر آپ امر الی نے کہہ کر کیا نہ اٹھایا جائے گا حالانکہ "الحصاحصہ" یعنی مکتوبہ قرآن کے نسخے ہزارے درہان ہو جو ہیں۔ کیا اس سے زیادہ سزا جہاد است اس بات کی مل سکتی ہے کہ عہد نبوت میں تم کہ تم قرآن کے نسخے بھول چکے۔ تم اس سے میں چاہا جائے تو اور بھی بہت سی روایتیں پیش ہو سکتی ہیں۔ ۱۲ (مناظرہ من قبل فی)

(۱) ماہرہ فریخ انسان شرح دارقوتی ۲، ص: ۳۵۸، نیز یہ حدیث جامع ترمذی ج: ۳، ص: ۳۹۱ وغیرہ کتب حدیث میں بھی ہے۔ مہد الکلیہ

رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس موجود تھیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ قرآن کی یہ سورتیں جن کی حیثیت مستقل رسالوں اور کتابوں کی تھی ان سب کو ایک ہی قطع اور سائز سے اوراق پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں جلد کرانے کا طریقہ رسول اللہ کے عہد میں مروج نہیں ہوا تھا بلکہ ایک ہی مصنف کی مختلف کتابیں الگ الگ جلدوں کی شکل میں جیسے آج کل بھی دینی لکھی جاتی ہیں سمجھنا چاہیے کہ یہی حال گویا عموماً قرآن کی ان سورتوں کا تھا۔ اگرچہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی طور پر ایک سے زائد صحابیوں نے یہ کام بھی کر لیا تھا۔ یعنی ایک ہی سائز پر لکھ کر ایک ہی جلد کی صورت میں قرآن کو جمع کر لیا تھا۔ لیکن اس کا عام رواج نہیں ہوا تھا۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عہد صدیقی میں قرآن کی جو

(۱) میرزا شاد بخاری (ج ۲۰ ص: ۷۸) وغیرہ کی اس روایت کی طرف ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن کو چار دہیوں نے جمع کیا اور یہ سب انصار کے تھے۔ یعنی ابی بن کعب، عذاب بن مسعود اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم اعمام خود پر جمع کرنے کا مطالبہ کیا جا تا ہے کہ بانی یاد کیا تھا میر میر ۳۳۰ (۷۰) صحابی جمعیہ ۱۰۰ تھے ان کی طرف "جمعوا القرآن" (یعنی انہوں نے قرآن کو جمع کیا تھا) یہ الفاظ منسوب کیے گئے ہیں۔ ابن شہاب زہری نے "جمعوا" کے "وعوہ" کا لفظ اس موقع پر استعمال کرنے سے نفی کر دیا ہے۔ یعنی زبان ذہابا تھا ان لوگوں نے قرآن کو (کنز العمال ج ۲ ص: ۵۰۰ حاشیہ ص ۵۰۰) چار بخاری (ج ۲ ص: ۷۸) میں جن چار (۴) انصاری صحابیوں کی طرف جمع قرآن کی خدمت کو جو منسوب کیا گیا ہے یقیناً اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ جمع قرآن کی اس خدمت کی نوعیت یاد کرنے سے نفی ہے نہ جو جمع کرنے سے مختلف تھی، اور وہ یہی ہوتی ہے کہ بجائے سینوں کے مان جائے کہ ان چار انصاری ہزاروں کے پورے قرآن کو لینے اس کی ہر سورت کو ایک ہی سائز سے اوراق پر لکھنے کی امتیازی خدمت انجام دینی تھی جس کی تعبیر میں کرنے کے لفظ سے کی گئی ہے۔ ہند چار صحابیوں کے جمع کرنے کا ذکر جس راویت میں یہ لیا ہے اس روایت کے دوسرے طریقوں کے جائزہ لیئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جمع قرآن کی یہ خدمت انیس چار تک راوی (جاری ہے)

مشہور حدیث اس پر دی گئی ہے اس کا تعلق اسی واقعہ سے ہے، میرا اشارہ بخاری (ج ۲، ص ۴۵) وغیرہ کی اسی مشہور روایت کی طرف ہے جس میں بیان کیا گیا

= نے جوحدی ہے اس کا تعلق انصار سے ہے یعنی تمام سورتوں کو ایک ہی تخطیج کے اوراق پر لکھ کر سب کو ایک جگہ جمع کرنے کا کام انصاری صحابیوں میں سے ان پر نے انجام دیا تھا۔ محمد بن کعب انقرضی نے خوالہ سے کفر معلول (ج ۲، ص ۷۷) کی میں جو روایت ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں ”جمع القرآن فی زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خمسۃ من الانصار“ (یعنی انصار کے چار آویسوں کا یہ ماں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انہوں نے قرآن جمع کیا تھا) جس سے معلوم ہوا کہ انصار میں بھی جمع کرنے والوں کی تعداد چار سے زیادہ تھی۔ اور یہ بات تو واضح ہی ہو گئی کہ اس قصہ کا تعلق صرف انصار کے طبقہ سے تھا نیز طبرانی کے حوالے سے نیز اہل سال (ج ۳، ص ۵۲) کی میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ انصار میں سے ”جمع میں جاریہ“ نے بھی قرآن جمع کیا تھا بجز دو یا تین سورتوں کے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی معصنف کی جیسے کل کتابیں لوگ جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن اکثر اہل کے پاس کل تصنیفات نہیں ہوتیں، عہد نبوت میں عام صحابہ کا قرآنی سورتوں کے متعلق یہی حال تھا، کنز العمال میں ابن دؤد کی کتاب ”المصاحف“ کے حوالے سے صحابہ کے متعلق یہ الفاظ صراحتاً بھی منقول ہیں ”کنا نؤی، کنا وذلک فی المصاحف والالواح“ (یعنی سب نے قرآن کو پتھروں اور تختیوں میں لکھ لیا تھا) (ج ۲، ص ۳۵، بر سند احمد۔)

ضمیمہ دیکھیں: پانچویں سند احمد (ج ۱، ص ۱۵۰) کی میں ابن واہب کا تذکرہ جو ملتا ہے کہ قیس بن مراد بن ابی ایک صاحب کو نہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آکر عرض کیا کہ ایک شخص کو گناہ میں چھوڑ کر پا رہوں جو قرآن کو زبانی سمجھتا ہے، راوی کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر غصے سے پہنچا اور ہو گئے وہ غصے میں فرما رہے تھے ”ارے یہ کون شخص ہے جو ایسی حرکت کرتا ہے؟“ قیس نے کہا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسی کرتے ہیں۔ ابون مسعود رضی اللہ عنہ کا نام ابن عمر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تھا۔ حضرت نے پڑھنے اور فرمایا کہ ”خیر قرآن کے جاننے والوں میں میں نہیں جانتا کہ ان سے بھی بڑا عالم کوئی ہو گیا ہے۔“ جس پر کہنا چاہتا ہوں کہ اس روایت کے بعد یہ خیال کہ ”مطلوبہ قرآن کو“ (چوہی ہے)

ہے کہ یمامہ میں حفاظ قرآن نے شہداء کو غیر معمولی کثرت کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی درخواست پر سہولت اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی نائب و جی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ایک نسخہ قرآن کا اہتمام کریں۔

نہ سمجھنے والوں نے خدا جانے اس روایت سے کیا کچھ سمجھ لیا ہے اور عجیب و غریب نتائج پیدا کر لیے۔ بعض اس روایت کو پیش کر کے مدعی ہو گئے کہ قرآن نے کتابی قالب میں حد یقینی میں اختیار کیا اور نہ اس سے پہلے قرآن کی حیثیت زبانی یا دواشتوں کی سی تھی۔ مگر جو کچھ اب تک عرض کیا جا چکا ہے اس سے واقف ہونے کے بعد کوئی صاحب فہم لکھ بھرنے سے کیا اس مخالفہ میں جھڑوہ سٹاتا ہے؟ لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ لفظ لکھوانے کا اگر قصہ ۱۲۱۱ھ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنے کی کیا ضرورت تھی وہ تو خود لکھنا جانتے تھے۔ طرف ماجرا یہ یہ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس فرمان کے نافذ کرنے میں شش کش کا اظہار کیا مگر بعد ۹۰۰ھ راسخی ہو گئے، انہوں نے کہہ تھا کہ میں اس کام کو کیسے کروں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ (تحریر: ج ۲، ص ۱۰۱) میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں۔

”کَیْنِ تَفْعَلْ شَیْئًا ثُمَّ یَفْعَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.“

= زبان قصود کی مباحث تھی اور یہ کہ جو مکی قرآنِ فطریہ کہتے ہیں، اسے نقل کرنا تھا، اگرچہ مکی
عائے تو اس کے سوا کسی کوئی اور اسراۃالہیہ نہیں ہے۔ (مناظر حسنہ ص ۱۱)

مسند احمد سے ماخوذ ہے۔ یہ قصہ "تیرا اُردا" الخلیل، (۱۳۷۶ء)، اور "حلیہ الاولیاء" (ج ۱ ص ۱۴۴) میں بھی ملتا ہے۔ عید الفطر

ترجمہ: ”یعنی تو اس کام کو کیسے کر رہا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں

کیا۔“

کبھی عجیب بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو قاعدہ تھا کہ اترنے کے ساتھ ہی قرآن کی ہر آیت کو نکھوا دیتے تھے۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کو نہیں کیا اس کام کو کیسے کروں؟“ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے مگر اس قصہ کا تعلق قرآن اور قرآنی سورتوں کے صرف نکھوانے اور قلمبند کرانے سے ہو رہا جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے۔

عہد صدیقی میں قرآنی خدمت کی صحیح نوعیت :

پہلی اصل واقعہ وہی ہے کہ قرآن کی تمام سورتوں کو ایک ہی قطعہ اور سائر پر نکھوا کر ایک ہی جلد میں منضدہ کرنے کا کام اور وہ بھی حکومت کی طرف۔ اس کام کو انجام دالانا یہی ایسا کام تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں ہو پایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی خدمت کو مکتوبات کی طرف سے انجام دانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ چاہتے تھے کہ حفاظت اور حکومت اس ممبر کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور اپنی نگرانی میں اس کی تکمیل کرائے۔ بلاشبہ یہ ایک نیا اقدام تھا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس اقدام کے متعلق اگر تردد ہوا تو اس کی یقیناً تجاویز تھیں، لیکن بعد کو نوادان کا فیصلہ بھی یہی ہوا کہ وہی نے تفریق رسالوں کی صورت میں رہنے کے یہ زیادہ مناسب ہے کہ تمام قرآنی سورتوں کو ایک ہی قطعہ کے اوراق پر نکھوا کر ایک ہی جلد میں سب کو جلد کر دیا جائے۔ پھر جیسا کہ سب جانتے ہیں بخاری کی اسی روایت میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حکومت کی طرف سے اس خدمت کے انجام دینے

کے بے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انتخاب فرمایا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے اس کام کو پورا کیا۔ (۱) کام کی رپورٹ کرتے ہوئے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے وہی باتیں کہیں جو آج بھی کہوں کے انش کرنے والے خصوصاً قرآن مجید اہم کتابوں کے تفسیر اور چھاپنے والے عموماً کہا کرتے ہیں۔ یعنی تفسیر نسخوں کو بھی انہوں نے لکھتے وقت پیش نظر رکھا۔ اسی سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویب کی ہوئی ابتدائی یادداشتیں جو ردی، عسب، غلاف وغیرہ پر تھیں ان کو بھی انہوں نے اپنے سامنے رکھتے وقت رکھ لیا تھا، نیز ہر آیت کی تصحیح و دودھا فہوں سے بھی کرتے چلے جاتے تھے، البتہ وہی سوز و برأت کی آخری دو باتیں ان کے متعلق رپورٹ میں انہوں نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عامائی ہوئی یادداشتوں میں وہ یادداشت نہ تھی جس میں یہ باتیں لکھی ہوئی تھیں اسی کے مانند یہ بھی بیان کیا کہ دودھا فہوں کی تصحیح کی جو شرط تھی اس کی یہ بندی بھی ان آیتوں کے متعلق میں نے نہیں کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست ان کو میں سنا، نہ پورا ایک صحابی جن کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۱) امام شہاب زہبی سے اور شہاب زہری عبد اللہ بن عمر کے صاحبزادے سے سنا۔ یہ حوالہ ہے، وامت نقل کرتے تھے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے "انقرطیس" پر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خمر سے قرآن کی کئی سورتوں کو نسخہ لکھا، نہ کیا ایک ہی نسخہ لکھنے کے اور اقارب بنائے جاتے تھے تو ان کو قرآن میں کہتے تھے (دیکھو احادیث میں ۵۹ ج ۱) ایک سال کے اوراق پر لکھے ہونے کی سبب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حکومت کے مرتب کردہ اس نسخہ "زنتھہ" بھی کہتے تھے (دیکھو قدح ج ۱ ص ۵۹) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل و در عمل ان اوراق کا ردی تھا "زنتھہ" اس کا ترجمہ "یوکھترہ" کیا جاسکتا ہے اور یہی معنی ۵۲ ج ۱۲ (سناطہ حسن اہلانی)

دو شہر دونوں کے مساوی قرار دیا تھا (۱) یعنی خزیمہ بن ثابت (۲) انصاری رضی اللہ عنہ کی تصحیح کو کافی سمجھا جس کی وجہ لہا وہی کہ سورہ برأت کی ان آیتوں کو بطور خلیفہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیوں کو پڑھنے کا حکم دے رکھا تھا، اسی لئے عام طور پر دونوں آیتیں جہلی پہچانی تھیں۔

(۱) واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک بدوی جس کا نام 'سواء بن قیس' الحارثی تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گھوڑے کی فروخت کا معاملہ کیا مگر بعد کو خسر گیا اور پورا معاملہ کس کے سر سے ہوا؟ اللہ یہ تھا کہ معاملہ کے وقت کوئی دوسرا موجود نہ تھا، میر انصاری رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ بیٹل معاملہ ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم سب موجود تھے جو گواہی دے رہے ہو؟ خزیمہ نے کہا کہ آپ کی رسالت کو جب ہم جنت سمجھتے ہیں تو بھلا گھوڑے کے معاملہ میں آپ کوئی خلاف واقعہ دعویٰ فرما سکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع پر فیصلہ فرمایا کہ خزیمہ جس کی موافقت یا مخالفت میں کوئی دعویٰ کرے اس کی گواہی کافی قرار دی جائے گی۔ (اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۱۴)

(۲) ابن سہب کا نام خزیمہ تھا یا ابو خزیمہ، بخاری (ج ۲ ص ۷۶) تک کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ درویشوں میں سے کسی راوی کو ان کا نام خزیمہ یا ابو خزیمہ کو بخاری نے تصحیح سے مستبعد کر دیا ہے کہ خزیمہ نام نہ لے والے صحابہ سے زیادہ قریب ہیں، ان روایتوں میں ایک اختلاف یہ بھی پایا جاتا ہے کہ اس واقعہ کا حلقہ مجدد مدنی کی قرآنی خدمت سے تھا یا یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت نے جو کہ کئی بھائی تھے اس وقت یہ واقعہ پیش آیا تھا مگر ظاہر ہے کہ مجدد مدنی میں اس واقعہ کے پیش آنے کی صورت ہی کہہ سکتے ہیں۔ مجدد مدنی میں قرآن کے سارے اجزاء کی تیسرا نسخہ بنانی ہو چکی تھی، مجدد مدنی میں تو صرف مجدد مدنی کے اسی سرچشمہ کی نقل کی تھی جس کی تفصیل آگے دی ہے، اس لئے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس آیتوں کے متعلق یہ ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے مذکور بالا بیعت و تہنیت کی روایت کرنے والے خود ان آیتوں کی تفسیر میں آجھ بھلائے اشتباہ ہو گئے تھے بعض تو اسی سورہ تہنیت کا نام لیتے تھے اور بعض کہتے تھے کہ سورہ اجزاب کی 'وَصَاحِقٌ عَلَيْهِمْ فُزُؤُهُمْ عَاهِدُوا إِلَهُ عَلَيْهِ' (الاحزاب: ۴۳) والی آیت تھی اور غالب قریہ یہ بھی ہے کہ برأت ہی والی آیت تھی، یہ کہ عام طور پر بطور خلیفہ کے ان ہی دو (چار ہی ہے)

بہر حال حکومت کی جانب سے ایک ہی قطع کے اوراق پر تمام قرآنی سورتوں کے لکھوانے اور سب کو ایک ہی جلد میں جلد کرانے کا مرحلہ تو عہدِ صفیہ میں ہی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک سال بعد ہی پورا ہو چکا تھا، علامہ قسطلانی شارح بخاری کے حوالہ سے اَللّٰہُ فِیْہِ تَعْمَلُ مَا یَشَاءُ ہے۔

”قد كان القرآن كله مكتوباً في عهدہ صلی اللہ علیہ وسلم
لکنہ غیر مجموع فی موضع واحد“ (ج: ۲، ص: ۲۸، الصراط
الإدارية، التكتاني)

ترجمہ: "قرآن مکمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ ہی میں لکھا جا چکا

= آجوں کے پڑھنے کا تکرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا تمنا ہی کے لئے ہر خاص و عام سے یا: ہونے کی وجہ سے زیادہ تقیہ و احتیاط کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی، بلکہ رانٹوں کے مختلف انداز پر اگر غور کیا جائے تو ان سے واقعہ کی اصل صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نکوئی ہوئی یا دارا اشتوں میں۔ یہ صرف یہی ایک کٹڑاؤں میں تو یہ کہ یہ دونوں آیتیں جس ذیل کو نہ اس کا تقاد و خود فرمانے ہیں کہ وہ نکو اشتوں تھا "فانتم صاھا ووجدناھا عدا حوسبہ" (پھر ہم لوگوں نے اس کو جو نہ عدا شرور کیا تو خزیرہ کے پاس اپنی آئندہ رقعہ یا نکلہ مل لیا) بجائے "مفرو صینے کے" "فانتم صاھا" (ہم نے جو نہ صا) "فوجدناھا عدا" (پھر ہم نے پاؤں) جمع کا صیغہ حضرت نے جو اشتوں کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صحابی کلاں میں بھی اس نکلے کے پانے میں بھی شریک تھے۔ خزیرہ کے پاس یہ رقعہ یا نکلہ کیسے پہنچا ہوا تھا، ممکن ہے کہ نقل کرنے یا کسی دوسری فرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خزیرہ ماٹتے کر لے گئے اور واپس سے پہلے ان حضرت سید اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی یا کسی اور وجہ سے واپس کرنے کا موقع ان کو نہ مل سکا۔ ۱۶

تھا، البتہ ایک جگہ ساری سورتوں کو جمع نہیں کیا گیا تھا (یعنی ایک جلد سازی اور شیرازہ بندی ان سورتوں کی نہیں ہوئی تھی)۔

حادث محاسبی نے جوامع ضعیف کے معاصر ہیں اپنی کتاب ”فہم السنن“ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں قرآن کی یادداشتوں کا جو مجموعہ تھا:

”وكان القرآن بمسئولة اوراق وجلدت في بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها متشرا فجمعها جامع ورسطها بخط.“
(اتقان، ج: ۱، ص: ۵۸)

ترجمہ: ”اسی میں قرآنی سورتیں الگ الگ لکھی ہوئی تھیں (ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے جامع) (یعنی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ) نے ایک جگہ سب سورتوں کو جمع کیا اور ایک دھاگہ سے سب کی شیرازہ بندی کی۔“

اور یہی کام یعنی ایک جلد میں جلد کرانے کا کام مہد صدیقی میں انجام پاد لیکن دوسرے کو بھی اس کی تقلید پر یعنی ساری سورتوں کو ایک ہی قطع پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں جلد کرانیں اور سورتوں کی جلد بندی میں جو ترتیب رکھی گئی تھی اس کی پابندی کریں اس پر لوگوں کو مجبور نہیں کیا گیا تھا، بلکہ ایک ہی مصنف کی چند کتابوں کو مختلف ساز کے اور اوراق پر جیسے نوک پچا پتے ہیں اور کسی خاص ترتیب کی پابندی کے بغیر جس کے جی میں جس طرح آتا ہے ان کی جلد بندھواتا ہے۔ انفرادی آزادیوں کی کچھ بھی صورت حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک قرآنی سورتوں کے متعلق رہی اس انفرادی آزادی میں حکومت نے دخل دینا مناسب خیال نہ کیا۔

مہد عثمانی میں قرآنی خدمت کی نوعیت

لیکن مختلف ممالک و اصعار کے لوگ جب اسلام میں داخل ہوئے جن میں عرب ہی نہیں بلکہ یونان، عرب کی بھی ایسی بڑی آبادیاں شریک تھیں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی۔

عربی لب و لہجہ کا اختلاف قبائل عرب اور عربی و غیر عربی مسلمانوں میں:

ان الفاظ و حروف کے صحیح تلفظ کی قدرت عموماً ان ہی میں پائی جاتی تھی، نیز خود عرب میں بھی قبائلی اختلاف لب و لہجہ میں بہ کثرت پایا جاتا تھا، اور اختلاف کی یہ نوعیت دنیا کی تمام زبانوں میں عام ہے۔ ابن قتیہؒ نے لب و لہجہ کے قبائلی اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ:

”فَالْهَدَلِيُّ يَفْرءُ عَتَّى عَيْنٍ وَالْأَسَدِيُّ يَقْرءُ بِعِلْمُونَ بِكسر

والتعميمي يهمل، والقريظي لا يهمل“ (۱)

ترجمہ: ”ہذلی یعنی بنی ہذیل کے قبیلہ والے (حتی: عین) کو عتئی میں پڑھتے ہیں،

اسی طرح عیلمون کی (ت) کو ذر کے ساتھ اسدی یعنی بنی اسد والے تلفظ کرتے ہیں

اسی طرح تمیمی اہمال سے کام لیتے ہیں قریشی یہ نہیں کرتا۔“

اسی طرح ثابوت کا تلفظ خود مدینہ والے ”ثابوہ“ کرتے تھے اور عتئی اس کی

(۱) تباہ فی سباحت القرآن، ص: ۳۳، اصناف العزرائی

بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ قرآن کے پڑھنے میں عربی قبائل اور غمی نو مسلموں کی طرف سے ان اختلاف کا جب ظہور ہوا اور ہر ایک اپنے تلفظ کی محنت پر اصرار ہے جا کرنے لگا تو اس وقت حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس نسخہ کی نقل کروانے کے لیے جو عہد صدیقی میں تیار ہوا تھا، حکومت کی طرف سے ایک سررشتہ قائم کر دیا۔ اس سررشتہ کے افسر ہی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی مقرر کیے گئے جنہوں نے عہد صدیقی میں نسخہ تیار کیا تھا۔ (۱) اور مزید تیار وہ (۱۱) ارکان کا ان کی امداد کے لیے اضافہ کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ کتابت کی حد تک قرآن کو اسی لہجہ اور تلفظ میں لکھا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلفظ اور لہجہ تھا۔ اسی سررشتہ نے صدیقی نسخہ کی چند تفکیکیں تیار کیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ایک نسخہ سررشتہ کا تیار کیا ہوا مختلف صوبوں کے پایہ تخت اور چھانڈیوں میں بھیج کر فرمان جاری کر دیا کہ اپنے اپنے قبائل یا انفرادی لہجوں یا تلفظ کے لحاظ سے لکھے ہوئے قرآنی نسخے لوگوں کے پاس جو موجود ہوں وہ حکومت کے حوالہ کر دیے جائیں تاکہ ان نسخوں کو معدوم کر دیا جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن شریف کی خدمت یہی اور صرف یہی ہوئی ہے جو بجائے خود بہت بڑی اور اہم خدمت ہے درنہ تلفظ عربی قبائل اور جمعیوں کے طریقہ ادائب و لہجہ کے اختلاف کی بنیاد پر لکھے ہوئے قرآنی نسخے خدا خواستہ اُکرونا

(۱) زید بن ثابت نو عمری میں ہی مسلمان ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصیت کے ساتھ کتابت کا کام ان سے یہ کرتے تھے حتیٰ کہ اسی سلسلہ میں یہودیوں کے دور زبان کی تعلیم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انہوں نے حاصل کی تھی۔ یہ ان صحابہوں میں سے ہیں جنہوں نے تصنیفی یادگار چھوڑی ان تراجم و ساریت کے متعلق ان کی ایک کتاب کا ذکر مورخین کرتے ہیں۔ ۱۲ (منظر احسن گیلانی)

میں پھیل جاتے تو بعد ہی جانتا ہے کہ دشمنان اسلام اس بات کو بھگتتا کر کہاں سے کہیں پہنچا دیتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ کھھاوٹ یعنی ٹوشت و کتابت کی حد تک انہوں نے قرآن میں وحدت کا رنگ پیدا کر دیا۔ ہاتھ تو ظاہر ہے کہ اس میں وحدت اور یک لہ کا مطالبہ ان کے بس کی بات تھی بھی نہیں اسی لیے اس مطالبہ کو نظر انداز کر دیا گیا اور آزادی بخشی گئی کہ جس کا جو تلفظ ہے یا تلفظ کی جس نوعیت پر جو قادر ہے اسی تلفظ اور لب و لہجہ میں قرآن شریف کو وہ پڑھ سکتا ہے۔ ایک حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود تھی، جس میں فیصلہ فرما دیا گیا تھا کہ قرآن مجید ایک ہی "حرف" یعنی تلفظ پر نازل نہیں ہوا ہے بلکہ "سبعة أحرف" (۱) یعنی متعدد تلفظ کی اس میں گنجائش ہے اگرچہ کوشش تو اسی کی کرنی چاہیے کہ اسی لب و لہجہ میں قرآن کی تلاوت ہر مسلمان کو پھر جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لب و لہجہ تھا۔ اسی لیے تجوید اور قرأت کا ایک مستقل فن ابتداء ہی سے مسلمانوں میں مروج ہو گیا اور عبرت کے لیے (یعنی یہ بتانے کے لیے کہ کوشش کی جائے تو غیر عربی آدمی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریشی لب و لہجہ میں قرآن پڑھ سکتا ہے) قرأت و تجوید کے لئے اسی قسم کے لوگوں کا عہد صحابہ و تابعین ہی میں عموماً انتخاب کیا گیا جو سلاطین عرب نہ تھے فن قرأت کے ائمہ بعد کو یہی تھے (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰) (۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳۳) (۵۳۴) (۵۳۵) (۵۳۶) (۵۳۷) (۵۳۸) (۵۳۹) (۵۴۰) (۵۴۱) (۵۴۲) (۵۴۳) (۵۴۴) (۵۴۵) (۵۴۶) (۵۴۷) (۵۴۸) (۵۴۹) (۵۵۰) (۵۵۱) (۵۵۲) (۵۵۳) (۵۵۴) (۵۵۵) (۵۵۶) (۵۵۷) (۵۵۸) (۵۵۹) (۵۶۰) (۵۶۱) (۵۶۲) (۵۶۳) (۵۶۴) (۵۶۵) (۵۶۶) (۵۶۷) (۵۶۸) (۵۶۹) (۵۷۰) (۵۷۱) (۵۷۲) (۵۷۳) (۵۷۴) (۵۷۵) (۵۷۶) (۵۷۷) (۵۷۸) (۵۷۹) (۵۸۰) (۵۸۱) (۵۸۲) (۵۸۳) (۵۸۴) (۵۸۵) (۵۸۶) (۵۸۷) (۵۸۸) (۵۸۹) (۵۹۰) (۵۹۱) (۵۹۲) (۵۹۳) (۵۹۴) (۵۹۵) (۵۹۶) (۵۹۷) (۵۹۸) (۵۹۹) (۶۰۰) (۶۰۱) (۶۰۲) (۶۰۳) (۶۰۴) (۶۰۵) (۶۰۶) (۶۰۷) (۶۰۸) (۶۰۹) (۶۱۰) (۶۱۱) (۶۱۲) (۶۱۳) (۶۱۴) (۶۱۵) (۶۱۶) (۶۱۷) (۶۱۸) (۶۱۹) (۶۲۰) (۶۲۱) (۶۲۲) (۶۲۳) (۶۲۴) (۶۲۵) (۶۲۶) (۶۲۷) (۶۲۸) (۶۲۹) (۶۳۰) (۶۳۱) (۶۳۲) (۶۳۳) (۶۳۴) (۶۳۵) (۶۳۶) (۶۳۷) (۶۳۸) (۶۳۹) (۶۴۰) (۶۴۱) (۶۴۲) (۶۴۳) (۶۴۴) (۶۴۵) (۶۴۶) (۶۴۷) (۶۴۸) (۶۴۹) (۶۵۰) (۶۵۱) (۶۵۲) (۶۵۳) (۶۵۴) (۶۵۵) (۶۵۶) (۶۵۷) (۶۵۸) (۶۵۹) (۶۶۰) (۶۶۱) (۶۶۲) (۶۶۳) (۶۶۴) (۶۶۵) (۶۶۶) (۶۶۷) (۶۶۸) (۶۶۹) (۶۷۰) (۶۷۱) (۶۷۲) (۶۷۳) (۶۷۴) (۶۷۵) (۶۷۶) (۶۷۷) (۶۷۸) (۶۷۹) (۶۸۰) (۶۸۱) (۶۸۲) (۶۸۳) (۶۸۴) (۶۸۵) (۶۸۶) (۶۸۷) (۶۸۸) (۶۸۹) (۶۹۰) (۶۹۱) (۶۹۲) (۶۹۳) (۶۹۴) (۶۹۵) (۶۹۶) (۶۹۷) (۶۹۸) (۶۹۹) (۷۰۰) (۷۰۱) (۷۰۲) (۷۰۳) (۷۰۴) (۷۰۵) (۷۰۶) (۷۰۷) (۷۰۸) (۷۰۹) (۷۱۰) (۷۱۱) (۷۱۲) (۷۱۳) (۷۱۴) (۷۱۵) (۷۱۶) (۷۱۷) (۷۱۸) (۷۱۹) (۷۲۰) (۷۲۱) (۷۲۲) (۷۲۳) (۷۲۴) (۷۲۵) (۷۲۶) (۷۲۷) (۷۲۸) (۷۲۹) (۷۳۰) (۷۳۱) (۷۳۲) (۷۳۳) (۷۳۴) (۷۳۵) (۷۳۶) (۷۳۷) (۷۳۸) (۷۳۹) (۷۴۰) (۷۴۱) (۷۴۲) (۷۴۳) (۷۴۴) (۷۴۵) (۷۴۶) (۷۴۷) (۷۴۸) (۷۴۹) (۷۵۰) (۷۵۱) (۷۵۲) (۷۵۳) (۷۵۴) (۷۵۵) (۷۵۶) (۷۵۷) (۷۵۸) (۷۵۹) (۷۶۰) (۷۶۱) (۷۶۲) (۷۶۳) (۷۶۴) (۷۶۵) (۷۶۶) (۷۶۷) (۷۶۸) (۷۶۹) (۷۷۰) (۷۷۱) (۷۷۲) (۷۷۳) (۷۷۴) (۷۷۵) (۷۷۶) (۷۷۷) (۷۷۸) (۷۷۹) (۷۸۰) (۷۸۱) (۷۸۲) (۷۸۳) (۷۸۴) (۷۸۵) (۷۸۶) (۷۸۷) (۷۸۸) (۷۸۹) (۷۹۰) (۷۹۱) (۷۹۲) (۷۹۳) (۷۹۴) (۷۹۵) (۷۹۶) (۷۹۷) (۷۹۸) (۷۹۹) (۸۰۰) (۸۰۱) (۸۰۲) (۸۰۳) (۸۰۴) (۸۰۵) (۸۰۶) (۸۰۷) (۸۰۸) (۸۰۹) (۸۱۰) (۸۱۱) (۸۱۲) (۸۱۳) (۸۱۴) (۸۱۵) (۸۱۶) (۸۱۷) (۸۱۸) (۸۱۹) (۸۲۰) (۸۲۱) (۸۲۲) (۸۲۳) (۸۲۴) (۸۲۵) (۸۲۶) (۸۲۷) (۸۲۸) (۸۲۹) (۸۳۰) (۸۳۱) (۸۳۲) (۸۳۳) (۸۳۴) (۸۳۵) (۸۳۶) (۸۳۷) (۸۳۸) (۸۳۹) (۸۴۰) (۸۴۱) (۸۴۲) (۸۴۳) (۸۴۴) (۸۴۵) (۸۴۶) (۸۴۷) (۸۴۸) (۸۴۹) (۸۵۰) (۸۵۱) (۸۵۲) (۸۵۳) (۸۵۴) (۸۵۵) (۸۵۶) (۸۵۷) (۸۵۸) (۸۵۹) (۸۶۰) (۸۶۱) (۸۶۲) (۸۶۳) (۸۶۴) (۸۶۵) (۸۶۶) (۸۶۷) (۸۶۸) (۸۶۹) (۸۷۰) (۸۷۱) (۸۷۲) (۸۷۳) (۸۷۴) (۸۷۵) (۸۷۶) (۸۷۷) (۸۷۸) (۸۷۹) (۸۸۰) (۸۸۱) (۸۸۲) (۸۸۳) (۸۸۴) (۸۸۵) (۸۸۶) (۸۸۷) (۸۸۸) (۸۸۹) (۸۹۰) (۸۹۱) (۸۹۲) (۸۹۳) (۸۹۴) (۸۹۵) (۸۹۶) (۸۹۷) (۸۹۸) (۸۹۹) (۹۰۰) (۹۰۱) (۹۰۲) (۹۰۳) (۹۰۴) (۹۰۵) (۹۰۶) (۹۰۷) (۹۰۸) (۹۰۹) (۹۱۰) (۹۱۱) (۹۱۲) (۹۱۳) (۹۱۴) (۹۱۵) (۹۱۶) (۹۱۷) (۹۱۸) (۹۱۹) (۹۲۰) (۹۲۱) (۹۲۲) (۹۲۳) (۹۲۴) (۹۲۵) (۹۲۶) (۹۲۷) (۹۲۸) (۹۲۹) (۹۳۰) (۹۳۱) (۹۳۲) (۹۳۳) (۹۳۴) (۹۳۵) (۹۳۶) (۹۳۷) (۹۳۸) (۹۳۹) (۹۴۰) (۹۴۱) (۹۴۲) (۹۴۳) (۹۴۴) (۹۴۵) (۹۴۶) (۹۴۷) (۹۴۸) (۹۴۹) (۹۵۰) (۹۵۱) (۹۵۲) (۹۵۳) (۹۵۴) (۹۵۵) (۹۵۶) (۹۵۷) (۹۵۸) (۹۵۹) (۹۶۰) (۹۶۱) (۹۶۲) (۹۶۳) (۹۶۴) (۹۶۵) (۹۶۶) (۹۶۷) (۹۶۸) (۹۶۹) (۹۷۰) (۹۷۱) (۹۷۲) (۹۷۳) (۹۷۴) (۹۷۵) (۹۷۶) (۹۷۷) (۹۷۸) (۹۷۹) (۹۸۰) (۹۸۱) (۹۸۲) (۹۸۳) (۹۸۴) (۹۸۵) (۹۸۶) (۹۸۷) (۹۸۸) (۹۸۹) (۹۹۰) (۹۹۱) (۹۹۲) (۹۹۳) (۹۹۴) (۹۹۵) (۹۹۶) (۹۹۷) (۹۹۸) (۹۹۹) (۱۰۰۰) (۱۰۰۱) (۱۰۰۲) (۱۰۰۳) (۱۰۰۴) (۱۰۰۵) (۱۰۰۶) (۱۰۰۷) (۱۰۰۸) (۱۰۰۹) (۱۰۱۰) (۱۰۱۱) (۱۰۱۲) (۱۰۱۳) (۱۰۱۴) (۱۰۱۵) (۱۰۱۶) (۱۰۱۷) (۱۰۱۸) (۱۰۱۹) (۱۰۲۰) (۱۰۲۱) (۱۰۲۲) (۱۰۲۳) (۱۰۲۴) (۱۰۲۵) (۱۰۲۶) (۱۰۲۷) (۱۰۲۸) (۱۰۲۹) (۱۰۳۰) (۱۰۳۱) (۱۰۳۲) (۱۰۳۳) (۱۰۳۴) (۱۰۳۵) (۱۰۳۶) (۱۰۳۷) (۱۰۳۸) (۱۰۳۹) (۱۰۴۰) (۱۰۴۱) (۱۰۴۲) (۱۰۴۳) (۱۰۴۴) (۱۰۴۵) (۱۰۴۶) (۱۰۴۷) (۱۰۴۸) (۱۰۴۹) (۱۰۵۰) (۱۰۵۱) (۱۰۵۲) (۱۰۵۳) (۱۰۵۴) (۱۰۵۵) (۱۰۵۶) (۱۰۵۷) (۱۰۵۸) (۱۰۵۹) (۱۰۶۰) (۱۰۶۱) (۱۰۶۲) (۱۰۶۳) (۱۰۶۴) (۱۰۶۵) (۱۰۶۶) (۱۰۶۷) (۱۰۶۸) (۱۰۶۹) (۱۰۷۰) (۱۰۷۱) (۱۰۷۲) (۱۰۷۳) (۱۰۷۴) (۱۰۷۵) (۱۰۷۶) (۱۰۷۷) (۱۰۷۸) (۱۰۷۹) (۱۰۸۰) (۱۰۸۱) (۱۰۸۲) (۱۰۸۳) (۱۰۸۴) (۱۰۸۵) (۱۰۸۶) (۱۰۸۷) (۱۰۸۸) (۱۰۸۹) (۱۰۹۰) (۱۰۹۱) (۱۰۹۲) (۱۰۹۳) (۱۰۹۴) (۱۰۹۵) (۱۰۹۶) (۱۰۹۷) (۱۰۹۸) (۱۰۹۹) (۱۱۰۰) (۱۱۰۱) (۱۱۰۲) (۱۱۰۳) (۱۱۰۴) (۱۱۰۵) (۱۱۰۶) (۱۱۰۷) (۱۱۰۸) (۱۱۰۹) (۱۱۱۰) (۱۱۱۱) (۱۱۱۲) (۱۱۱۳) (۱۱۱۴) (۱۱۱۵) (۱۱۱۶) (۱۱۱۷) (۱۱۱۸) (۱۱۱۹) (۱۱۲۰) (۱۱۲۱) (۱۱۲۲) (۱۱۲۳) (۱۱۲۴) (۱۱۲۵) (۱۱۲۶) (۱۱۲۷) (۱۱۲۸) (۱۱۲۹) (۱۱۳۰) (۱۱۳۱) (۱۱۳۲) (۱۱۳۳) (۱۱۳۴) (۱۱۳۵) (۱۱۳۶) (۱۱۳۷) (۱۱۳۸) (۱۱۳۹) (۱۱۴۰) (۱۱۴۱) (۱۱۴۲) (۱۱۴۳) (۱۱۴۴) (۱۱۴۵) (۱۱۴۶) (۱۱۴۷) (۱۱۴۸) (۱۱۴۹) (۱۱۵۰) (۱۱۵۱) (۱۱۵۲) (۱۱۵۳) (۱۱۵۴) (۱۱۵۵) (۱۱۵۶) (۱۱۵۷) (۱۱۵۸) (۱۱۵۹) (۱۱۶۰) (۱۱۶۱) (۱۱۶۲) (۱۱۶۳) (۱۱۶۴) (۱۱۶۵) (۱۱۶۶) (۱۱۶۷) (۱۱۶۸) (۱۱۶۹) (۱۱۷۰) (۱۱۷۱) (۱۱۷۲) (۱۱۷۳) (۱۱۷۴) (۱۱۷۵) (۱۱۷۶) (۱۱۷۷) (۱۱۷۸) (۱۱۷۹) (۱۱۸۰) (۱۱۸۱) (۱۱۸۲) (۱۱۸۳) (۱۱۸۴) (۱۱۸۵) (۱۱۸۶) (۱۱۸۷) (۱۱۸۸) (۱۱۸۹) (۱۱۹۰) (۱۱۹۱) (۱۱۹۲) (۱۱۹۳) (۱۱۹۴) (۱۱۹۵) (۱۱۹۶) (۱۱۹۷) (۱۱۹۸) (۱۱۹۹) (۱۲۰۰) (۱۲۰۱) (۱۲۰۲) (۱۲۰۳) (۱۲۰۴) (۱۲۰۵) (۱۲۰۶) (۱۲۰۷) (۱۲۰۸) (۱۲۰۹) (۱۲۱۰) (۱۲۱۱) (۱۲۱۲) (۱۲۱۳) (۱۲۱۴) (۱۲۱۵) (۱۲۱۶) (۱۲۱۷) (۱۲۱۸) (۱۲۱۹) (۱۲۲۰) (۱۲۲۱) (۱۲۲۲) (۱۲۲۳) (۱۲۲۴) (۱۲۲۵) (۱۲۲۶) (۱۲۲۷) (۱۲۲۸) (۱۲۲۹) (۱۲۳۰) (۱۲۳۱) (۱۲۳۲) (۱۲۳۳) (۱۲۳۴) (۱۲۳۵) (۱۲۳۶) (۱۲۳۷) (۱۲۳۸) (۱۲۳۹) (۱۲۴۰) (۱۲۴۱) (۱۲۴۲) (۱۲۴۳) (۱۲۴۴) (۱۲۴۵) (۱۲۴۶) (۱۲۴۷) (۱۲۴۸) (۱۲۴۹) (۱۲۵۰) (۱۲۵۱) (۱۲۵۲) (۱۲۵۳) (۱۲۵۴) (۱۲۵۵) (۱۲۵۶) (۱۲۵۷) (۱۲۵۸) (۱۲۵۹) (۱۲۶۰) (۱۲۶۱) (۱۲۶۲) (۱۲۶۳) (۱۲۶۴) (۱۲۶۵) (۱۲۶۶) (۱۲۶۷) (۱۲۶۸) (۱۲۶۹) (۱۲۷۰) (۱۲۷۱) (۱۲۷۲) (۱۲۷۳) (۱۲۷۴) (۱۲۷۵) (۱۲۷۶) (۱۲۷۷) (۱۲۷۸) (۱۲۷۹) (۱۲۸۰) (۱۲۸۱) (۱۲۸۲) (۱۲۸۳) (۱۲۸۴) (۱۲۸۵) (۱۲۸۶) (۱۲۸۷) (۱۲۸۸) (۱۲۸۹) (۱۲۹۰) (۱۲۹۱) (۱۲۹۲) (۱۲۹۳) (۱۲۹۴) (۱۲۹۵) (۱۲۹۶) (۱۲۹۷) (۱۲۹۸) (۱۲۹۹) (۱۳۰۰) (۱۳۰۱) (۱۳۰۲) (۱۳۰۳) (۱۳۰۴) (۱۳۰۵) (۱۳۰۶) (۱۳۰۷) (۱۳۰۸) (۱۳۰۹) (۱۳۱۰) (۱۳۱۱) (۱۳۱۲) (۱۳۱۳) (۱۳۱۴) (۱۳۱۵) (۱۳۱۶) (۱۳۱۷) (۱۳۱۸) (۱۳۱۹) (۱۳۲۰) (۱۳۲۱) (۱۳۲۲) (۱۳۲۳) (۱۳۲۴) (۱۳۲۵) (۱۳۲۶) (۱۳۲۷) (۱۳۲۸) (۱۳۲۹) (۱۳۳۰) (۱۳۳۱) (۱۳۳۲) (۱۳۳۳) (۱۳۳۴) (۱۳۳۵) (۱۳۳۶) (۱۳۳۷) (۱۳۳۸) (۱۳۳۹) (۱۳۴۰) (۱۳۴۱) (۱۳۴۲) (۱۳۴۳) (۱۳۴۴) (۱۳۴۵) (۱۳۴۶) (۱۳۴۷) (۱۳۴۸) (۱۳۴۹) (۱۳۵۰) (۱۳۵۱) (۱۳۵۲) (۱۳۵۳) (۱۳۵۴) (۱۳۵۵) (۱۳۵۶) (۱۳۵۷) (۱۳۵۸) (۱۳۵۹) (۱۳۶۰) (۱۳۶۱) (۱۳۶۲) (۱۳۶۳) (۱۳۶۴) (۱۳۶۵) (۱۳۶۶) (۱۳۶۷) (۱۳۶۸) (۱۳۶۹) (۱۳۷۰) (۱۳۷۱) (۱۳۷۲) (۱۳۷۳) (۱۳۷۴) (۱۳۷۵) (۱۳۷۶) (۱۳۷۷) (۱۳۷۸) (۱۳۷۹) (۱۳۸۰) (۱۳۸۱) (۱۳۸۲) (۱۳۸۳) (۱۳۸۴) (۱۳۸۵) (۱۳۸۶) (۱۳۸۷) (۱۳۸۸) (۱۳۸۹) (۱۳۹۰) (۱۳۹۱) (۱۳۹۲) (۱۳۹۳) (۱۳۹۴) (۱۳۹۵) (۱۳۹۶) (۱۳۹۷) (۱۳۹۸) (۱۳۹۹) (۱۴۰۰) (۱۴۰۱) (۱۴۰۲) (۱۴۰۳) (۱۴۰۴) (۱

کی جماعت ہوئی۔ (۱)

بہر حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا کارنامہ قرآن کے مخطوط ہونے کا یہی ہے کہ کتابت اور لکھاؤں کی حد تک مختلف اور اب الہجہ کے جھگڑوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا گیا اور یہ کام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریباً کل چودہ چندہ سال بعد انجام پایا۔ آج ممکن ہے کہ خلافتِ عثمانی کے عہد کی اس قرآنی خدمت کی قیمت و اہمیت کا لوگوں کو صحیح اندازہ نہ ہو سکے، لیکن ذرا سوچئے تو سہی کہ ابتداء ہی میں مسلمانوں کو کتابت کی اسی ایک شکل پر جمع نہیں کر دیا جاتا تو نتیجہ کیا ہوتا؟

عجمی مسلمانوں کو تو ابھی جانے دیجئے خود عربی قیاس میں تعلقہ اور لیکور کے اختلافات کیا معمولی تھے؟ قرآنی آیت "فَذَجَعَلْ رُشْكَ فَنَحْتِك سَرِيًّا" (مریم: ۲۳) کو قبیلہ قیس دانے جو "ک" تائید کا تعلق "ش" سے کرتے تھے ظاہر ہے کہ اس بنیاد پر یہی آیت قیس کے قبیلہ والوں کے قرآن میں بایں شکل لکھی ہوئی ملتی یعنی "فَذَجَعَلْ رُشِيَّ فَنَحْتَسِبْ سَرِيًّا" قیس کے اس طرزِ تعلقہ کا اصطلاحی نام کشائے قیس تھا۔ اسی طرح قبیروا لے "اُن" کے لفظ کو "عن" کی شکل میں ادا کرتے تھے اس کا نام معدودہ جسم تھا۔ مثلاً "فَنَحْنُ اِنَّ اَنْ يَأْتِيَنَا بِالْقَنْعِ" (مائدہ: ۵۲) کو "عَسَى اللّٰهُ غَن يَأْتِيَنَا بِالْقَنْعِ" کی شکل میں وہ

(۱) اور واقعی اس پر تعجب ہوتا ہے کہ خدا و قرآن کے طبقہ کوئی ہی میں ہم قانون اور ورثہ وغیرہ نام نہ رکھنے والے بزرگوں کو بناتے ہیں۔ ورثہ تو خیر کہتے ہیں کہ ورثان (فائض) کے عربی لفظ کا اختصار ہے لیکن قانون کے متعلق تو اس کی تصریح کی گئی ہے کہ ہر بین یعنی روی لفظ ہے بلکہ اسے عربی میں پہنچ کر صرف اتنا متصرف ہوا کہ قانون کو قانون یعنی کاف کو کاف سے بدل دیا گیا کہتے ہیں کہ قانون سے معنی جید کے ہیں جاتی ہیں بھی آپ کو کفر اسجد جزاں منی کے اندر ہیں ان میں زیادہ دوزخ بھی ایسا اور سوائی مہر سے تعلق رکھنے والے متصرف میں کے ۱۲ (سلاطین و حسن گھانی)

ادا کرتے تھے اور سب سے اچھپا ہنس قبیلہ کا لفظ تھا جو "س" کے حرف کو "ت" کی شکل میں ادا کیا کرتا تھا اسی وجہ سے پوری سورۃ "الناس" کی برائیت کے آخری لفظ میں بجائے "س" کے ان کے قرآن میں ہم گو یہ "ت" کو پڑھتے مثلاً "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْمُنٰبِتِ" اس معاملے میں لوگ اس درجہ مجبور تھے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اصلاً و نسباً بذیل قبیلہ سے تھے ان تک و حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لیے نوکا کہ وہ "خشی جیہ" کا لفظ "عشی عین" کی شکل میں کر رہے تھے۔ (۱)

جب خالص برہنہ قبائل کا یہ حال تھا تو بے چارے عجمیوں میں پہنچ کر قرآنی نسخوں کی جو حالت ہوئی وہ ظاہر ہے۔ دور کیوں جائیے ہندوستان ہی کا نتیجہ کیا ہوتا۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ اس صورت میں جتنے قرآن پنجاب میں طبع ہوتے ان میں ہر جگہ بجائے "ق" کی جگہ "ک" ہی چھاپا جاتا، اسی طرح دکن میں جو قرآن چھپتے اس میں "ق" کی جگہ "خ" اور "غ" کی جگہ "ق" لوگوں کو ہر جگہ نظر آتا۔ اور اس قسم کے اختلافات کو کون کن سکا ہے ہر قصورے فاصلے سے ملتا اور لکھے کے یہ اختلافات زبانوں میں پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عروسہ کے معلمین جو مختلف لہجوں میں قرآن پڑھتے ہیں انہی میں "کھفر بعضہم بعضاً" (۲) کی توبہ تک آگئی تھی تو سمجھنا چاہئے کہ آگے بڑھ کر یہی اختلافات مسلمانوں کو خطرے کے کس نقطہ تک پہنچا دیتے؟

(۱) قبائل عرب کے گھمب و غمبہ کے افسانوں کے طے طے میں جو مسلمانوں کی تھی ہیں علاوہ دوسری کتابوں کے "الجزیری"، "السیان" میں بھی اس کا کافی مواد مل سکتا ہے۔ دیکھیے صفحات: ۳۷، ۳۸، ۳۹ وغیرہ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت کا ذکر بھی، جی کتاب میں کیا ہے۔ ۴۰

(۲) یعنی بعض کاما فرغ نہ کرنے لگے۔ اس کا تفصیل بھی اور کتابوں کے سوا قبایاں ہی میں مل سکتی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیا جامع القرآن تھے؟

اتحاد یہ ہے کہ شہوری یا غیر شہوری محد پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کی اس عظیم و علیل خدمت کے مسلمان بہت ممنون نظر آتے ہیں اور علو اس کا تذکرہ کرتے ہیں، حتیٰ کہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت اچھا کیا اور جو کچھ کیا ہم سب کے مشورے سے کیا، انہوں نے پوچھا کہ مسلمانوں میں یہ جھگڑا جو چڑھ گیا ہے کہ ہر ایک اپنی قرأت کو دوسروں کی قرأت سے بہتر قرار دیتا ہے بلکہ دوسرے کی قرأت کو شرکی حد تک کچھ دیا جاتا ہے اس کا معاق کیا کیا جائے؟ ہم لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے کیا حکم فرمایا؟ تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

”قویٰ ان نجمع الناس علی مصحف واحد“ (۱)

ترجمہ: ”اے را خیال ہے کہ لوگوں کو ایک ہی مصحف پر جمع کر دیا جائے۔“

یہی ”جمع الناس علی مصحف واحد“ مہم عثمانی کی قرآنی خدمت کی صحیح تعبیر ہے یعنی مسلمانوں کو ایک ہی مصحف پر آپ نے جمع کر دیا۔ خواہ نے ان کے اسی خطاب کو جامع القرآن (۲) کے نام سے مشہور کر دیا جو نہ صرف یہی کہ اتحاد کی صحیح تعبیر نہیں (۱) ریخ و منتظر تنزیلہ، بارشاشیہ، ج ۲، ص ۵۰۔

(۲) یہ عجیب بات ہے کہ مسلمانوں میں پڑنا ہی زمانہ سے پہلی روایت ہے۔ تیسری صدی کے مشہور مصنف اور عالم حادث عباسی کا قول اتقان میں سید علی نقی کیا ہے ”المتشہور عند اصحابنا الصراۃ عثمان و بنی کثرتک، اما حمل عثمان الناس علی الفراء بوجہ واحد“ (لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جامع القرآن ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے انہوں نے قرون کفران کی ایک ہی قرأت پر صرف جمع کیا) (۳) اتقان، ج ۲، ص ۶۰۔ (۴) اتقان ہی (چارنا ہے)

ہے بلکہ یہی بات یہ ہے کہ عام طور پر اس تعبیر سے بڑی غلط فہمی پھیل گئی ہوگی سمجھنے والے کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے تو یا قرآن جس کی ہوا یا نکلا ہو نہ تھا اور یہ تو ایک تعبیری غلطی ہے بجائے جامع القرآن کے جامع الناس علی القرآن سے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اس کی اصلاح ہو سکتی ہے مگر یہی تصریح یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف قرآن کی اسی خدمت کا انتساب اور اعلیٰ شہرت ایک بڑے فتنہ کا مقدمہ بن گئی۔ اور اب ہم اسی فتنہ کے متعلق جیسا کہ ۱۰۰ تا ۱۱۰ آیتوں نے لکھا ہے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

ایک بڑے فتنہ کا سہ باب :

نبی امیہ نے اسلامی حکومت پر قبضہ کر کے جب خلافت کو سلفیت کی شکل میں بدل دیا اور وہ و ایران کے حکمرانوں کو نمونہ بنا کر حکومت کرنے لگے تو مسلمانوں میں قدرتی جیسا کہ چاہیے تھا بے چین پیدا ہوئی اور اس نے ایک عام کھٹکشی کی شکل حکومت اور عوام کے درمیان پیدا کر دی اس کھٹکشی کے وہانے کے سلسلہ میں جو بے پناہ مظالم نبی امیہ کے حکمرانوں کی طرف سے مسلمانوں پر توڑے گئے ان کے لئے صرف ایک جگہ ہی کا نام کافی ہو سکتا ہے جس نے ایک لاکھ (۱۰۰,۰۰۰) مسلمانوں کو صبرا (ساٹنے باندھ کر) قتل کر دیا۔

= میں یوں کہتا ہوں کہ صرف قریش کے منت اور نبی و پیغمبر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کو بچا دیا لیکن اسی طرح یہ بھی ہے کہ "ان کما ان قد رجع الی فواللہ بلغہ غیر ہم وعا للحوح والعشقة" (۱۰۰: ۲۰) یعنی صرف انہی نے کہ حد تک قریش کے لب و لہجہ کی پابندی کی تھی باقی بڑے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اہانت و بے رحمی کی تھی کہ وہ بڑے پیغمبر و انبیا میں بھی ہاتھ پڑھنے لگتے ہیں۔ اس سے شکی نہ رہی مشقت کا زائد تصور نہ۔

اسی کفکش کے سلسلہ میں لغت و ملامت کا قصہ جب راز ہوا تو بنی امیہ سے آگے بڑھ کر بعض خفیہ اقل کرم مزاج لوگوں کی زبانیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی کھلے نکلیں کیونکہ بنی امیہ والے آپ کے نام اور خاندانی تعلق سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے اور مسلمانوں پر احسان جتاتے تھے کہ ہمارے خاندان ہی نے تمہارے قرآن کو محفوظ کر دیا اور نہ تمہارے مذہب کی بڑی ہی ختم ہو جاتی اور اشارہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت کی اسی قرآنی خدمت کی طرف کیا جاتا۔ عبد الملک بن مروان ہر مرتبہ مسلمانوں سے کہتا:-

"فالنزمو المالی مصحفکم الذی جمعکم علیہ الامام

المظلوم۔ (رحمہ اللہ)" (۱)

ترجمہ: "مسلمانوں! اپنے مظلوم امام و خلیفہ (یعنی عثمان رضی اللہ عنہ) کے مصحف و مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو۔"

ظاہر ہے کہ قرآن جو نہ بے چارے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نازل ہوا تھا نہ انہوں نے بن کو ابتداء لکھوایا تھا حتیٰ کہ ایک جلد میں تمام سورتوں کو مجلد کرانے کا کام بھی ان کی حکومت کی طرف سے نہیں انجام پایا تھا۔ البتہ آخر میں بجائے مختلف لہجوں کے کتابت کی حد تک مسلمانوں کو ایک ہی نسخہ پر جمع کرنے کا انتظام اپنی حکومت کی طرف سے کر دیا تھا شخص اس لیے اس قرآن کو جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ امام مظلوم کا مصحف اور قرآن قرار دینا مسلمانوں کو براہم کر دینے کے لئے کافی تھا، رد عمل آخر اس کا اس شکل میں ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قرآنی خدمت کی اہمیت ہی کو لوگ اٹھانے لگے اور فریق مخالف میں جو زیادہ شیعہ ہو، مگر مدح و تحسین حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ پر اُلت کر طرح طرح کے افواہات بھی توہنے لگے اور جو قرآن خالق عالم کی طرف سے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سارے جہاں کے انسانوں کے لیے اُتر اتھا اُس کا نام ہی ان لوگوں نے ”یاضی عثمانی“ العیاذ باللہ رکھ دیا جو ”مصحح امام مظلوم“ کے کلوٹ کی پاداش بہ شکل ”سنگ“ تھی۔ سچ پوچھیے تو یہی امیہ کے اسی طرز عمل کی مخالفت میں بعض امامتِ اندیش لوگوں نے مسلمانوں میں جعلی بے سرپا روایتیں خود ہی مٹر مٹر کی پھیلا دیں اور ان میں جو زیادہ چابک تھے، جانتے تھے کہ جعلی روایتوں کا پردہ بآسانی چابک ہو جائے گا۔ انہوں نے بعض صحیح روایات کو غلط مقصد کے لئے استعمال کیا ان لوگوں کی یہ دوسری تہ پیر زیادہ کارگر ثابت ہوئی اچھے لوگ ان مغالطوں کا شمار ہو گئے۔ اس سلسلہ میں مولانا گیلانی نے جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس کا خلاصہ درج کرتا ہوں۔

سہولت کے لیے روایات کے اس ذخیرہ کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے، ایک حصہ تو ان خود تراشیدہ فرضی روایات کا ہے مولانا نے جن کی تعبیر مضحکات کے لفظ سے کی ہے، کیونکہ ان کو سُن کر کوئی شخص اپنی ہنسی مشکل ہی سے ضبط کر سکتا ہے اور جن صحیح روایات سے ناجائز نفع اٹھاتے ہوئے مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ان کے لئے ”مغالطات“ کا عنوان قائم کیا جائے گا۔

مضحکات :

- کہنا جاتا ہے کہ قرآنی آیت ”وَقَفُّوْهُمْ اِنْهُمْ مُّسْتَوْزِلُوْنَ“ (الصافات :

۴۴) کے آخر میں ”عن ولایۃ علی“ کے الفاظ تھے جنہیں عہد عثمانی میں تصدق قرآن

سے خارج نہ رہا، یعنی قرآن میں یہ لکھا ہوا تھا کہ میدانِ حشر میں دھوکے کو کھڑا کر کے علی کی روایت کے متعلق پوچھ جائے گا۔

۲۔ اسی طرح کوئی صاحب "محمد بن جهم البہالی" تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے انہوں نے یہ منہور کیا کہ قرآنی آیت "امۃ ہي ارمی من امۃ" (النحل: ۹۲) میں تحریف کی گئی ہے یا صلی اللہ علیہ وسلم "انستنا ہی ارمی من المتکم" (۱) تھے۔

۳۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ قرآن میں قبیلہ قریش کے (۷۰) نام بقید نسب موجود تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سب کو ساقط فرمادیا۔

۴۔ اسی طرح "کفی اللہ المؤمنین العنا" (الاحزاب: ۲۵) کی آیت میں کہتے ہیں کہ علی بن حارث کے الفاظ بھی تھے۔ (۲) اس قسم کی بیسیوں (۳) خرافات اس طبقہ کی طرف سے پھیلائی گئیں۔ اگر مسلمانوں کے پاس راہنوں کے جانچنے کا خاص طریقہ رادعین حقیق کے متعلق نہ ہوتا تو ان جھوٹی تصانیف اور انہوں کے متعلق بے بنیاد اور محض گپ ہونے کا فیصلہ آسان نہ ہوتا۔ ان لوگوں نے یہ کردی کہ الفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ سورہ انعام کے نام سے ایک مستطیل سورہ قرآن میں تھی جس میں اہل بیت کے اہماء اور ان کے حقوق وغیرہ کا تفصیلی ذکر تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس چوری سورہ کی کونہ نہ کر پایا۔ یہ بہر حال اس شیعہ عالم نے جس کا پہلا بھی میں نے ذکر کیا ہے یعنی

(۱) جہاں یہ نام تھے وہ حضرت ابی امیہ کے مکرانوں سے بھر چکے۔

(۲) جس کا مطلب یہ ہوا کہ جنگ کے لیے فوج اور علی مسلمانوں کی طرف سے کافی ہو گئے۔

(۳) یہ سارے مضامین آپ کو تقریر "روح السعفی" کے مقدمہ ص ۳۳۰-۳۳۱ میں مل سکتے ہیں۔

علامہ طبری نے ان ساری گہوں پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"الزيادة فيه اى القرآن فمجمع على مطالعتها واما النقصان فقد راي عن قوم من اصحابنا و قوم من حشوية العامة والصحيح حلاله." :روح المعاني، ج. ۳، ص ۲۳

ترجمہ: "قرآن میں (خیر قرآنی عنصر کا) اضافہ یہ مسئلہ تو اجماعی و اتفاق ہے (شیعوں اور سنیوں دونوں کا) کہ اس میں ضمیمہ ہوا، باقی کسی (یعنی قرآن کی کچھ آیتیں حذف ہوئیں) سو، ہر سنیوں کے بعض لوگ (یعنی بعض حنفی مسلک رکھنے والے) اور عام یعنی سنیوں کے بعض دشو یہ سے اس کا دعویٰ منقول ہے لیکن مجمع یہی ہے کہ یہ بھی غلط ہے۔"

میں عرض کر چکا ہوں کہ "بائٹ علیہا جنف" (۱) کی ذمہ داری جب خود خدا سے پکا ہے اور، اتفاقاً شیعہ دشمنی دانوں کے نزدیک یہ قرآن کی آیت ہے تو قرآن سے کسی چیز کے نکل جانے کے دعوے کے بعد آدمی مسلمان بنی آپ پاتی، بتا ہے۔ بقول شیعہ عالم علامہ طبری "تو تر و توارث کی جس راو سے قرآن نبیہ منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے اس کا متبادل ہوا یہ خود تراشیدہ: خسانے کہاں تک کر سکتے ہیں۔"

مقالات:

دہارہ انتوں کا دور احمد انہیں ۱۱۰۰ گیلانی نے مقالات کا نام دیا ہے۔
در اصل افغانی کی طرف طبری نے اشارہ کرتے ہوئے یہ کہ ہے کہ عامہ کے دشو یہ یعنی اہل

(۱) یعنی ہمیں یہ ہے قرآن جمع کر دے۔

سنت کے محدثین میں بھی بعض روایتیں پائی جاتی ہیں، یعنی ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی بعض آیتیں جو پہلے قرآن میں شریک تھیں بعد کو حذف ہو گئیں۔ لیکن ابھی آپ کو معلوم ہو گا کہ یہاں غور یہ رہا کہ ان آیتیں خدائے تعالیٰ نے جو تہجد میں پڑھ کر لیا گیا وہ نئی یا کم از کم غلط فہمی پر ضرور مبنی ہے۔ بعد از ضرورت ان میں جو چیزیں قاطب ذکر ہیں ان کا قصہ بھی سن لیجئے۔

اس سلسلہ میں تلف نوعمیت کی روایتیں ہیں۔ مثلاً

(۱) بعض روایتوں میں کسی غیر قرآنی حکم کا ذکر کرتے ہوئے اس قسم کے الفاظ

یعنی،

"فی ما أنزل من القرآن۔"

ترجمہ: "یہ اس سلسلہ اور راوی کی چیز ہے جس راہ سے قرآن نازل ہوا۔"

حدیث رضا عت:

جیسے الفاظ راوی نے جو عادیئے ہیں اس کی مثال رخصت والی روایت جو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے الفاظ حدیث کے یہ ہیں، یعنی وہ فرماتی تھیں کہ:-

"لَقَدْ أَنزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرَ رِصَالَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يَحْرَمُنَ لَمَّ

بِسْمِ اللَّهِ مَعْلُومَاتٍ لَتَوْفَىٰ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَنَ فِيمَا بَشَرًا

من القرآن" (۱)

(۱) صحیح مسلم (ج ۲، ص ۲۷۱)، ابن ماجہ (ج ۲، ص ۳۸۰)، ترمذی (ج ۲، ص ۳۳۳)،

نسائی (ص ۲۹۳، طبع ۱۴۰۰)، ابن ماجہ (ج ۲، ص ۳۷۲)

ترجمہ: ”ان ہی باتوں میں جو اسی راہ سے مائل ہوئی ہیں جس راہ سے قرآن مائل ہوا یہ حکم بھی تھا کہ دس ٹھونٹ یا دس دفعہ پینا حرام کر دیا ہے پھر مضمون ہو گیا یہ حکم ”پانچ مقررہ ٹھونٹ سے“ اور اوست پانچ دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ حکم ان ہی باتوں میں شریک تھا جن میں قرآنی حکم شریک ہیں۔“

واقعہ یہ ہے کہ مجو بخاری کے سماج سے کی نام کتابوں میں یہ روایت پائی جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ”فی ما نزل من القرآن“ یا ”فی ما یفرغ من القرآن“ سے الفاظ سے یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ یہ قرآن کے اجزاء تھے۔ تفصیل کے لیے تو سہلانا گیلانی کی اصل کتاب کا مطالعہ مناسب ہوگا، یہاں کی کتاب سے اخذ کر کے بقدر ضرورت بحث کی جاتی ہے۔

”خواتمی بات سے تو ہر پڑھالکھا مسلمان واقف ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو احکام و قوانین امت کو عطا کیے جاتے تھے ان میں ایک سلسلہ قوانین احکام کا تھا جن کی تعلیم حق تعالیٰ کی طرف سے جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے اور دوسرا سلسلہ احکام کی کاپیاں بھی تھا جن میں پیغمبر خود اپنے اجتہاد سے کام لیتے تھے، اگرچہ ”إِن مَّا یُؤْتٰی سِیْرًا لَّعَلَّ تَحْتَضَرُوْا“ (البقرہ: ۱۲۹) کے لحاظ سے ہم دونوں کو وحی ہی سمجھتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام ہرے کہ وہی کا دوسرا سلسلہ جو جبرئیل امین کی راہ سے جاری تھا وہ اپنی الگ قومیت رکھتا تھا۔ پھر جبرئیل امین کی راہ سے جو چیزیں ”وحی تھیں ہر ایک جانتا ہے کہ ان کی بھی دو قسمیں تھیں، یعنی ایک قرآن اور قرآنی آیات کا سلسلہ اور دوسرا سلسلہ جبرئیل امین کی ذریعہ سے وہ بھی جاری تھا جو قرآن کا جزء نہیں بنتا تھا گویا منطقی طور پر یوں کہہ لیجئے کہ قرآن تو وہ ہے جبرئیل کے ذریعہ نازل ہوا لیکن ہر وہ چیز جو جبرئیل کے ذریعہ سے نازل

ہوتی تھی اس کا قرآن ہونا ضروری نہ تھا آخر ایمان، اسلام و احسان کے متعلق سوال و جواب کا جو قصہ بخاری (ج: ۱، ص: ۱۳۰) میں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے متعلق فرمایا کہ:-

”جاء جبرئیل علیہ السلام يعلمکم دینکم۔“

ترجمہ: ”تمہارے پاس جبرئیل آئے تھے تم کو تمہارا دین سکھانے کے لیے۔“

ظاہر ہے کہ جبرئیل نے اس وقت دین کے متعلق جو کچھ سکھایا تھا یقیناً وہ قرآن میں شریک نہیں آیا اور یہی ایک روایت کہا اکثر چیزیں اسی قسم کی توسط جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں لیکن وہ قرآن میں شریک ہونے کے لیے نازل نہیں ہوئی تھیں ہی لیے قرآن میں شریک نہیں کی گئیں۔

اسی بنیاد پر ”فسی ما أنزل من القرآن“ سے راوی کا مقصد یہ ہے کہ یہ مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادی مسائل میں سے نہ تھا بلکہ یہ اتلا نامقصود ہے کہ جس راہ سے قرآن نازل ہوا ہے اسی راستہ سے یہ قلم بھی اللہ تعالیٰ کے رسول تک پہنچا تھا۔ اور یہ کہ قرآن کو جس راہ کی چیز سمجھ کر پڑھا جاتا ہے اسی راہ کی چیز یہ بھی ہے اور یہی معنی ہیں ”فلہذا یقرء من القرآن“ کے معنی جو کچھ قرآن میں پڑھا جاتا ہے جس راہ سے وہ آیا اسی راہ کی چیز یہ بھی ہے۔

رجم کی روایت:

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ روایت ہے جس میں رجم کا ذکر ہے یعنی شادی شدہ آدمی سے زنا کا صدور جب ہو تو مسئلہ ری کا حکم اسلام میں جو دیا گیا ہے اس

کے متعلق بخاری شریف (ج: ۲، ص: ۱۰۰۹) میں ایک طویل حدیث اس سلسلہ میں پائی جاتی ہے، حاصل جس کا یہ ہے کہ حج کے موسم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ملی کہ بعض لوگ ان کی وفات کے بعد خلافت کے متعلق کچھ منصوبے پہلے سے پکار رہے ہیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب پر کچھ اعتراض بھی کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے تو چاہا کہ حج ہی کے موقع پر ایک تقریر کریں، لیکن بعد گورائے بدل گئی اور مدینے پہنچ کر آپ نے جمعہ کے خطبہ میں ان ہی باتوں کا ذکر فرمایا جن کا تذکرہ حج کے موقع پر کرنا چاہتے تھے، یہ بڑی طویل تقریر ہے جس میں بہت سی باتیں بیان کی گئی ہیں اسی میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ذکر آپ نے فرمایا اور مسلمانوں کو اس کی وصیت کرتے ہوئے کہ میرا کیا ٹھکانہ ہے آج ہوں کل نہ ہوں اس لیے چند ضروری باتوں کا احتیاط ضروری خیال کرتا ہوں۔ اسی سلسلہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب کا قانون اگرچہ قرآن میں نہیں پایا جاتا مگر میں گواہی دیتا ہوں کہ:-

”کان معاً أنزلی اللہ۔“

ترجمہ: ”یہ قانون بھی ان ہی باتوں میں سے ہے جنہیں اللہ نے نازل فرمایا۔“

پھر یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قانون کو ہم نے دیکھا پڑھا اور یاد کیا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل بھی کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ اسی کے بعد آپ نے زور دے کر کہا کہ قرآن میں نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو یہ مخالفت نہ ہو کہ یہ خدا کے نازل فرمودہ قوانین میں نہیں ہے بلکہ یہ خدا ہی کا برحق اور اسی کا واجب کیا ہوا قانون ہے۔ آخر میں فرمایا کہ جس چاہیے کہ مرد ہوں یا عورت شادی شدہ ہونے کے بعد جو بھی زنا کا ارتکاب کرے اور ثابت ہو جائے تو اس کو رجم (سنگ مار) کیا

جائے، یہ عجیب بات ہے کہ اسی کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا:۔

”اِنَّا كُنَّا نَقْرَؤُا فِیْہَا نَقْرَؤُا مِنْ كِتَابِ اللّٰہِ اِنْ لَا تَرْغِبُوْا عَنْ

اٰہَانِكُمْ فَانَہُ كَفَرٌ بِكُمْ اِنْ تَرْغِبُوْا عَنْ اٰہَانِكُمْ۔“

ترجمہ: ”جس راوی کی چیز سمجھ کر کتاب اللہ (قرآن) کو ہم پڑھتے تھے کہ اپنے

باپوں سے اعراض نہ کرو، کیونکہ اپنے باپوں سے اعراض تمہارے لیے کفر ہے۔“

پھر آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ

جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں سہائف سے کام لیتے ہیں اور حد سے تجاوز کر جاتے ہیں تم بھی میری تعریف میں اس قسم کے اطراء و غلو سے کام نہ لینا۔

میں نے اس دوسری بات کو عجیب بات اس لیے کہا کہ رجم کے متعلق تو صرف

”معا انزل اللہ“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا مگر یہ کہ باپوں سے اعراض کرنے کے

متعلق جو الفاظ آپ نے فرمائے اس میں تو ”كُنَّا نَقْرَؤُا فِیْہَا نَقْرَؤُا مِنْ كِتَابِ اللّٰہِ“ (۱)

کے الفاظ ہیں لیکن ان الفاظ کے متعلق مسلمانوں میں اس کا کسی نہ نہ میں کسی نے بھی جرح

نہ کیا جیسا کہ رجم والے الفاظ کے متعلق پہلا دیا گیا تھا کہ پہلے وہ قرآن میں موجود تھے اور

طرفہ تماشایہ دعویٰ ہے کہ قرآن سے الفاظ تو خارج کر دیئے گئے لیکن قانون کو جیسا کہ سب

جانتے ہیں قیامت تک کے لیے باقی رکھا گیا اور بس کرنے والوں نے اسی پر بس نہیں کیا

بلکہ اغاظ کا ایک مجموعہ بھی بنا لیا جو حد رسول میں آج تک مشہور ہے کہا جا ۲ ہے کہ قرآن

میں تو نون رجم کے متعلق یہی الفاظ تھے، اللہ ظاکا وہ مجموعہ یہ ہے۔

(۱) یعنی ہم پڑھتے تھے اس کو اسی سلسلہ میں جس سلسلہ میں قرآن پڑھتے ہیں۔ ۴۲۔

”الشیخ والشیخۃ اذا زتما فلا جموعا۔“ (۱)

ترجمہ: ”کوئی بڑھا اور بڑھی جب نہ کریں تو دونوں کو سنگسار کر دو۔“

بعضوں میں ”البتہ“ کے الفاظ کا اضافہ بھی پایا جاتا ہے۔ بہر حال صحیحین (بخاری و مسلم) میں یہ ”الشیخ والشیخۃ“ والی روایت نہیں پائی جاتی بلکہ ابو داؤد و ترمذی وغیرہ میں بھی نہیں ہے ماسواً اس کے اس روایت کے راویوں کی حالت کیا ہے اس سے اگر قطع نظر بھی کر لیا جائے پھر بھی بقول مولانا غلامی فی اس کو قرآن مجید کا موافق و نہی خیال کرنا چاہیے کہ روایت کے الفاظ ہی سے اس قانون کی تردید ہو جاتی ہے جس کے لیے بنانے والوں نے ان عجیب و غریب الفاظ کے مجموعہ کو بنایا ہے، آپ سن چکے ہیں اور دینا جانتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ابھی گزرے ہیں کہ جرم کا قانون شادی شدہ مرد اور عورتوں کے لیے ای ہے مگر اب ذرا روایت کے ان الفاظ پر غور کیجئے ”الشیخ“ (بڑھا) ”والشیخۃ“ (بڑھی) ایسے الفاظ ہیں جن کے لیے ضروری نہیں کہ وہ شادی شدہ ہوں، پھر نتیجہ کیا ہوا ایسے بڑھے اور بڑھی عورت جن کی شادی نہیں ہوئی ہوں ان الفاظ کی تہیہ و پرچاہیے کہ ارتکاب گنہ کے جرم میں سنگسار کر دیئے جائیں اور جوان مرد اور جوان عورت شادی شدہ ہی کیوں نہ ہوں چونکہ اشیخ اور اشیخۃ کے الفاظ ان پر صادق نہیں آتے اس لیے جرم کا قانون ان کے لیے باقی نہ رہا اور یہی کیا جرم کا قانون اس روایت کی بناء پر صرف اسی زمانہ سے متعلق ہو گا جب بڑھے اور بڑھی ہوں لیکن ایک طرف بڑھا اور دوسری طرف جوان یا

(۱) مستدرک حاکم: ج ۵: ص ۵۳ میں یہ روایت متحد و مطریق سے نقل کی گئی ہے جو صحیح اور سن کے درجے کی ہیں۔ امام حاکم اسی حدیث کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ”هذا صحيح صحيح الاستاد ولم يخبر جاء“ اس حدیث کی سند صحیح و درجہ کی ہے اور امام بخاری و مسلم نے اپنی تصانیف میں ذکر نہیں کی ہے۔ اسے خط وہ بھی متحد و کتب حدیث میں ہے۔

بہت نکس ہو تو اس پر بھی یہ قانون نہ کندہ ہوتا اور یہی بات تو یہ ہے کہ شفوخت عربی زبان میں حرکے جس مصدر کی تعبیر ہے یہ حرکا وہ زمانہ ہے جس میں عموماً تضحی خواہش کا زور کم نہ بلکہ بسا اوقات مفقود بلکہ حد فزیت کو بھی پہنچ جاتا ہے۔ جو ان عورت کے ساتھ ممکن ہے کہ کئی بار صامشول ہو جائے یا بالنعکس میں بھی امکان ہے مگر جب دونوں پھوس پوزھے ہوں یعنی اشخ و اشخ بن پتہ ہوں تو زمانے صدور کا مکان ہی کیا باقی رہتا ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ سرے سے رجحان کا قانون ہی غیر نازل بن کر ان الفاظ کی قیاد پر رد جاتا ہے۔ کیا تماشائے کہ رجم کے قانون کو ثابت کرنے کے لئے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا گیا جس سے اس قانون کی بنیاد ہی منہدم ہونہر ہوگئی۔ کیسی عجیب بات ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ای قانون رجم کا ذکر فرماتے ہوئے صاف صاف غلطوں میں فرماتے تھے کہ قرآن میں اس کو داخل نہ کرے،

”ان ازید فی کتاب اللہ“

ترجمہ: ”میں اللہ کی کتاب میں اضافہ نہ کرتے کہ فعل کر دیں گے۔“

ی کے ساتھ یہ بھی فرماتے کہ اس کا خطرہ اگر نہ ہوتا تو قانون کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ قرآن کے کم از کم حاشیہ پر اس کو نلکھ دیا جاتا۔ عمر رضی اللہ عنہ جس سے متعلق کہہ رہے ہوں نہ قرآن میں اس کے داخل کرنے سے اضافہ ہوگا۔ یعنی جو چیز قرآن کا جزو نہیں ہے وہ قرآن کا جزو بن جائے گی مگر نوبت یہیں کہ یہی کہتے جا رہے ہیں کہ قرآن ہی کا جزو رجم کا قانون تھا، (۱) اور منہ جلد کس سے ہوا؟ صرف ”کتاب اللہ“ کے الفاظ سے ہوا مگر

(۱) حقیقت یہ ہے کہ جلد (تازیانہ) کی فراتی مزاجم زرا کے متعلق قرآن میں ہرگز نہ ہو چکی تھی اور ای جہاں آج کی کہ نہ (فیہ شخص) ای یوں نہ ہوا کہ زمانہ کا مجرم ہوگا تو جلد (تازیانہ) کی مزاجم کا متعلق وہ ہو جاتا ہے مگر قدردان یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شادی شدہ یعنی شخص زمانہ سے چوٹنے والی چیز یعنی (جاری ہے)

آپ دیکھ چکے کہ ان الفاظ کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے۔ آخر اسی روایت میں تو "رغبة حسن النساء" والے حکم بھی تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی زیادہ تیز تر الفاظ میں "منا نقرأ فیما نقرأ من کتاب اللہ" کے ذریعہ اپنے مطلب کو ادا کیا ہے مگر اس کا چرچا لوگوں میں کیوں نہیں پھیلا، بڑے بڑے مولوی بھی شاید اس کا استخراج رکھتے ہوں مگر انکے اس قسم کے الفاظ کا مطلب جو کچھ ہوتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کے ہی حصہ سے چاہیے تھا کہ ٹوٹ سمجھ لینے، مگر سمجھنے کا جب ارادہ ہی نہ کیا جائے تو اس کا کیا علاج ہے، یہی روایت کیا بلکہ یہ معونہ میں خدا قرآن کی کافی تعداد و حکم سے جو شہید ہوئی تھی، حدیثوں میں اس قصہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ پیچارت، عجات، غریب، شہید ہوئے تو:

"فأخبر جبرئیل علیہ السلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہم

= یہی دیکھتے ہوئے بھی اس جرم کا انکار کر دیا کہ اس جرم میں اس نادرے سے بچنا زیادہ اہم ہے جو ان میں خواہش کی تکلیف کے ذریعہ (بیوی) سے محرم ہے تو یا شادی شاد (بھائی) صرف زانیہ نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ شرارت کا مرکب ہے، اسی لیے صرف زانیہ کی جو سزا ہے یعنی تازیانے کی سزا سے زیادہ سخت سزا کا طالب خوان کا جرم ہے زانیہ کے جرم سے زیادہ شادی شدہ عورت کے اندر زور بارت اور زیادہ کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ یہی اختتام یہ ہوا کہ جس کی سزا میں بھی تازیانہ کی سزا سے زیادہ تازیانہ کی سزا ہے۔ اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی جیسا کہ بخاری (ج: ۲، ص: ۱۰۰۶) میں ہے فرمایا کرتے تھے کہ "وحدیثا رسول اللہ" یعنی عیسٰی کی سزا میں جو جیسا کہ وہی نبی تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا کی بنیاد پر دی، جس کا مطلب یہی ہوا کہ کسی آئی قانون پر اس سزا کی بنیاد کا نہیں ہے، وہاں کہ آیت میں نام سے تازیانہ کی سزا کیوں نہیں اور زانیہ کے جرم میں احسان کی وجہ سے جو سختی بڑھ جاتی ہے اس حکم پر مومن اللہ میں اللہ علیہ وسلم کی سنت کے سیر کیوں کر دیا جائیے تاؤنی سزا کیوں سے جو واقف ہیں اس کی مصلحت کو سمجھ سکتے ہیں جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ ۱۲۔

لَقَوْلِهِمْ فُوصِي عَنْهُمْ وَأَوْصِيهِمْ^{۱۸} (بخاری، ج: ۱، ص: ۳۹۳)

ترجمہ: ”جو نبی علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری کو مخاطبہ
قرآن کی یہ مرحمت کی ہے، اگر اسے جان کر فی ایس اللہ ان سے راضی ہو اور ان
لوگوں کو خدا نے خوش کر دے۔“

روایت کے انفس اللہ میں جتنا نہ تو ان شہید ہونے والے خدا نے اللہ تعالیٰ
سے یہ دعا کی ہوئے سے چھپنے کی تھی کہ...

”الہم ابلغ عنا نبينا انا قد لقبك فرحنا عنك ورضيت

عنا“ (۱۹)

ترجمہ: ”اے اللہ ہمارے نبی کو مخلص کر دیجئے کہ آپ سے ہمیں ملنے میں ہم
آپ سے راضی ہو خوش ہوئے اور آپ ہم سے راضی ہو خوش ہوئے۔“

اس روایت کا قول ان کے حضرت انفس رضی اللہ عنہما کرتے تھے کہ اے اللہ یا تو جی
ان شہداء کی امامانہ ان اللہ علیہ وسلم کی خبر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
ماتہ وسمہ علی تھی انکس نقرا (بخاری، ج: ۱، ص: ۳۹۳) یعنی پڑھا کرتے تھے پس قرآن
کے الفاظ سے بعضوں و مخالفوں کو شاید یہ بھی قرآن کا جزء تھا کہ انکس آپ رکھتے ہیں کہ
ان لاؤیت مکی وہن ”لیسما اول من لکرا“ ”یا کسا بعدا، بعدا مفر، من کذاب
السلہ“ کی ہے یعنی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قوسہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا
تھا اور معلوم ہو چکا ہے قرآن کی وحی میں تو جبرئیل صلی اللہ علیہ وسلم اور واسطہ کا کام کرتے تھے
تسین جو وہ چیز جو جبرئیل صلی اللہ علیہ وسلم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی تھی اور

قرآن ہونا نہ دینی تہذیب اور نہ ہی صورت عمارت کا لفظ ہے۔

(۲۴) مقالات نے ملت میں میرے نزدیک ایسی روایتیں بھی شامل ہیں جن میں صحابی نے کسی آئی بیت کا مضمون اور مطلب پر ان الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ قرآن کی طرف اس مطلب کو منسوب کر دیا ہے، بہرہ لوگ جتنی جن میں، دینی زبان عربی نہیں ہے اور وہیں قرآنی فقہوں کا مطلب بیان کرتے ہیں، لیکن سنا ہے کہ یہ ہے کہ محاسب و موحی کو بھی عربی زبان ہی میں، کرتے تھے، بعض کو اسی سے مفادہ دیا گیا کہ میں نے کے بیان کیا، وہ تفسیر و تشریح کے الفاظ بھی قرآن کے جڑو تھے، کی ایک نہیں مثال یہ: ایت ہے دینی ایک صحابی نے بیان کیا کہ قرآن میں میں نے پڑھ ہے۔

”لو کس لام ادم وادبام من مانی لا اتعی اب کتاب
الحديث.“

ترجمہ: ”یعنی ہم نے سچے سچے پائے ایک دینی پر ایمان بخود چاہے گا کہ
دوسری ایسی روایتیں میں میں نے پڑھیں۔ یہ الفاظ قرآن میں نہیں ہیں۔
”ایں الا سان خلق خلوعہ“

ترجمہ: ”الفاظ انسان بنے ہیں، پیدا کیا گیا ہے۔“ (۱)

۱۔ ایت یہ ہے کہ خلوعہ و عربی الفاظ میں وہ اب پر مشتمل ہے۔ عربی الفاظ سے وہ خلوعہ
پر انہیں سوا سب تک سے، ط میں ان کی تشریح کی جائے۔ ان موقوفہ پر ایک طیفہ کاغذ آبا کر مودان
میں ملے اور ان پر ہر ایک ایک تہذیب ہے۔

تہذیب و تہذیب میں نے ان۔

ایک تفسیر ہی ہے کہ کو کا کر جیسے ایک۔ یہ تہذیب و تہذیب کے ہوتے تھے جو تہذیب کے تھے۔

قرآن کی مشہور آیت ہے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ ”مسلوع“ کا مطلب وہی ہے جسے صحابی نے مذکورہ بالا الفاظ میں ادا کیا پھر اسی مضمون کو انہوں نے قرآن کی طرف منسوب کر کے مگر بیان کیا تو اس سے یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ ان کا خیال یہ تھا کہ محض یہی الفاظ قرآن میں پائے جاتے ہیں، ”خر و زمرہ“ کی یہ بات ہے کہ عام گفتگو میں، عقلوں میں، تقریروں میں لوگ مضمون بیان کر کے کہتے ہیں کہ ایسا قرآن میں آیا ہے۔ لیکن یہ سچی بڑی حماقت ہوگی اگر سننے والا قرآنی آیت کے حاصل مطلب کے مجتہد ان ہی الفاظ کو قرآن میں تلاش کرنے لگے۔

(۲) مخالفی اسی سلسلہ کی ایک نثری یہ بھی ہے کہ قرآن سناتے ہوئے بعض دفعہ صحابی حج میں تفسیر طلب الفاظ کی تفسیر بھی کرتے چلے جاتے تھے، ہندوستان، عراق، بھی بکثرت اس کام کو کرتے ہیں لیکن چونکہ ان کے تفسیری الفاظ اردو میں ہوتے ہی اس لیے سب جانتے ہیں کہ درمیان کے الفاظ قرآنی الفاظ کی تفسیر سے تعلق رکھتے ہیں لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ صحابی کی مادری زبان بھی چونکہ وہی تھی جو قرآن کی زبان ہے اس لیے بعضوں نے تفسیر کے ان عربی الفاظ سے یہ غلط فہمیاں اٹھایاں اور مشہور کردیا کہ قرآن میں موجود الفاظ کے ساتھ فلاں فلاں الفاظ پائے جاتے تھے جواب قرآن سے خارج ہو گئے ہیں۔ حضرت ابی بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی سوونت ویش آئی یعنی وہ سورۃ ”البینہ“ سنا رہے تھے جب قرآن کے الفاظ:

= قرآن میں یہ کہاں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ صحابی ”بنا آئینا السلسل انعم انفسرا انی انعم“ (الفاظ ۵۰۱) (اے خداوند تم سب کو کھانا دے کر) اس مطلب میں تو ہے کہ ظروء میں کھتے رہے کہ ”مرحمت“ میں ہے اور میر ”الفاظ“ تو قرآن میں بناویں۔ (سورۃ ”النمل“)

”وَمَا أَمْرُوآ إِلَّا يَخْبِتُونَ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُخْلِصُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ“ (المائدہ: ۵)

ترجمہ: ”اور تمہیں تسلیم دیا (ان لوگوں) کیمن صرف اس کا کہ پوجے چنے پائیں اللہ

کو دین کو اسی کے لیے خالص بنا کر۔ ہر فلکیہ اسی کی طرف جھکتے ہوئے۔“

پہنچتے ”الْمُخْلِصِينَ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ“ یعنی: دین کو اللہ کے لیے خالص بنانے کا

مطلب یہ ہے اسی کو سمجھانے کے جس کا حاصل بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی مبارک اور اس

کی خوشنودی کا حاصل کرنا بھی۔ ”الْمُخْلِصِينَ“ اور مذہب کی خالص روح اور خالص منشاء ہے۔

باقی بعض خلک بھی رجب، نسل، وطن، زبان وغیرہ کو فرقہ داری و حرابندیوں کا بلکہ بنالیت

ہیں اسی طرح ایک طریقہ تقسیم بھی دین اور مذہب کو بھی بنالیا جاتا ہے اس وقت جو بنے

رضاء حق کے، تقاضا حق کا، محض ایک ذریعہ بن کر مذہب رہ جاتا ہے۔ اس زمانہ میں

یہودیت، نصرانیت، مجوسیت وغیرہ مذہب مرض حق تک پہنچنے کے نہیں بلکہ نئی مصیبت کے

بجھارنے کے ذرائع بنے ہوئے تھے۔ اسی تو محسوس تھی کہ مذہب کو عربی زبان میں مضرت

اولیٰ بن لعرب نے ان الفاظ میں ادا کیا:۔

”اللہ الحنفیة المسلمة لا الہو دینہ

ولا النصرانیة ولا المجوسیة۔“

ترجمہ: ”دین خدا کے نزدیک وہی معتبر ہے جس میں حنیفیت (یعنی خدائی

طرف یکسوئی کی گئی ہو جو حق کا مطلب ہے) اور مسلمہ (یعنی اپنے آپ کو پاک

خدا کے سپرد کر دیا جائے) نہ یہودیت نہ نصرانیت نہ مجوسیت (یعنی ان دینی مصلو کو

انسانیت کی تقسیم کا ذریعہ بنانا) یہ ان لوگوں کا کام نہیں ہو سکتا جو اپنے دین کو واقعی

صرف خدا کے لیے خالص بنانا چاہتے ہیں۔ یہ محسوس ہو کر دینی زندگی گزارنا چاہتے

ہیں۔“

نفسہ امرو (ج: ۵، ص: ۱۳۲) کے حوالہ سے ”جمع لفوائد“
(ج: ۳، ص: ۲۳۲) میں نقل کیا ہے کہ ان الفاظ کے بعد
”ثم ختمها بما بقی من السورۃ“

ترجمہ: ”پھر انبی رضی اللہ عنہ نے (ان الفاظ کے) بعد سورۃ البقرہ کو ختم کیا۔“

بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ درمیان کے تفسیری الفاظ کو قرآن نے کے بعد حضرت
ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے سورۃ کو ختم کیا۔ واقعہ کی صورت کل یہی ہے۔ آپ ہی بتائیے
کہ مغالطے کے سوا اس کو اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اگر حضرت ابی کے ان تفسیری الفاظ کے
متعلق محض اس لیے کہ وہ عربی زبان کے الفاظ ہیں یہ دوسرے دلوں میں کوئی ڈالنے کو ابی بن
کعب رضی اللہ عنہ کے نزدیک قرآن ہی کے اجزاء (العیاذ باللہ) یہ الفاظ تھے۔ تو واقعہ یہ
ہے کہ عربی زبان سے تھوڑا بہت بھی لگاؤ جو رستا ہے سننے کے ساتھ ہی سمجھتا ہے کہ زبردست
میں یہ ثابت کا پوند بن جائے گا اور کچھ ان الفاظ کا نہیں بلکہ اور بھی جن جن روایتوں میں ان
تفسیری اشرفی الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے بذات خود بتا رہے ہیں کہ قرآنی عبارت کے الفاظ
اور ان میں کھلا بوافرق ہے مگر اس کے لئے عربی ادب کے ذوق صحیح کی ضرورت ہے۔

۳۔ اسی سلسلہ کی بعض غیر مستند روایتوں میں نہ کرہ کیا گیا ہے کہ نہ

”ان ابن مسعود کان بنکر کون سورۃ الفاتحہ والمعوذتین

من القرآن“ (تبیان الجرائری، ص: ۹۶)

ترجمہ: ”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صبحی سورۃ فاتحہ یعنی الحمد اور معوذتین

یعنی ”قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْاَسْمٰی“ اور ”قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ“ والی سورتوں کے

متعلق رہتے تھے کہ یہ قرآن کے اجزاء نہیں ہیں۔“

بالفرض ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف مان لیا جائے کہ یہ اتنا سب صحیح بھی ہو اور قرآن میں جو تواتر کی قوت پائی جاتی ہے اس کا مقابلہ یہ تاریخی روایت فرض کر لیجئے کہ کربھی سکتی ہو جب بھی کیا اس کا دوسرا مطلب ہے جو ظاہر الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سورہ فاتحہ جس کا قرآنی نام ”السمیع المصابی“ (۱) ہے قرآن میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

”وَلَقَدْ أَنشَأْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْغَنَابِیْ وَالْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ“ (الحجر: ۸۷)

ترجمہ: ”تم نے تم کو (۷۱ بے غبر) سب سے بڑی (یعنی سورہ فاتحہ دی) اور قرآن عظیم دیا۔“

جس سے صاف معنی ہو رہا ہے کہ سورہ فاتحہ کی حقیقت ”القرآن العظیم“ کے متبادل میں جدا جدا رکھتی ہے جس کی وجہ ظاہر بھی ہے کہ سورہ فاتحہ کی حیثیت درخواست کی ہے جو فدو کے دربار کی حاضری کے وقت یعنی نماز میں بندے کی طرف سے خدا کی بارگاہ میں پیش ہوتی ہے اور ”السم“ سے ”والسما“ تک اتنی کا جواب دیا گیا ہے۔ (۲) ابن (۱) سب سے معنی سات (۷) کے ہیں درمیان کی چیز کی تعبیر ہے جو درود فاتحہ دہرائی جانے پر چند سورہ فاتحہ سات آیتوں پر مشتمل ہے اور اس کی خواندگی قانونی دستور یعنی نماز میں پڑھنے کا قاعدہ بھی ہے کہ کم از کم درود فاتحہ دہرائی میں پڑھنی جائے اس لیے سترہ یعنی ایک رعت کی نماز منوع ہے شافعی کہنے کی وجہ یہی ہے۔

(۲) سنہی حالت اس روایت کی جو کچھ ہے یہ مسئلہ اور سورہ فاتحہ و سورہ تین جن قسم کی مخلوق و معارف پر مشتمل ہیں حضرت ائمہ کبار کی کتاب اور ان کے تفسیری مضامین میں آپ کو جس کی پوری تفصیل مل سکتی ہے۔

مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی اگر اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ فرما دیا ہو کہ سورہ فاتحہ "والعصر ان العظیم" سے الگ حیثیت رکھتی ہے تو اس کا یہ مطلب سمجھ لینا کیسے صحیح ہوگا کہ سورہ فاتحہ کے الفاظ کی وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح نہیں ہوئی تھی جیسے باقی قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ وحی ہونے میں تو دونوں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ سورہ فاتحہ اپنی ہدایاں نہایت جو رکھتی ہے یعنی بندے حق تعالیٰ کے دربار میں جو معروضہ پیش کریں، حق تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اس معروضہ یا درخواست کی عبارت بھی مرتب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی فرمادی۔ (۱)

انہی روایتوں میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معوذتین کے متعلق کہا کرتے تھے:-

"انما امر: انسی صلی اللہ علیہ وسلم ان یعوذ بہما۔"

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ ان دونوں سے تعوذ (پناہ

گیری) کا کام لیا جائے۔"

مطلب یہ تھا کہ معوذتین (یعنی "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ") ان دونوں سورتوں کا نزول تعوذ (پناہ گیری) کے لئے ہوا ہے اس لیے قرآن کی دوسری سورتوں کے مقابلہ میں ان کی ہدایاں نہایت ہے، میرے نزدیک تو ان الفاظ سے معوذتین کی اہمیت کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ واضح کرنا چاہتے تھے اور واقعہ بھی یہی

(۱) دنیا کی دفتری حکومتوں میں بھی ہساؤات میں کیا جاتا ہے کہ درخواست کی عبارت حکومت خود بنادیتی ہے اس کو چھاپ کر دفتر میں رکھ دیا جاتا ہے، درخواست گزار ان طلبہ مذکورہ بالا نقطہ پر دستخط کر کے داخل کردیہ کرتے ہیں۔ ۱۴۔

ہے کہ کسی قسم کی مصیبت دنیا میں پیش ہو، ان دونوں سورتوں کے مضمون پر غور کرنے سے قسلی مل جاتی ہے، بہر حال اگر ان روایتوں کے پیر بخئی ضعف اور اسناد کی کمزوریوں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے جب بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس بیان کا یہ مطلب لینا کہ وہ ان سورتوں کو حق تعالیٰ کے فرمودہ اور نازل کردہ الفاظ نہیں سمجھتے تھے، قطعاً ان پر بہتان ہے اور بدترین قسم کی مغالطہ بازی ہے کیا کسی حیثیت سے بھی کسی کی سمجھ میں یہ بات آ سکتی ہے کہ کوئی اور سورۃ نہیں بلکہ سورۃ فاتحہ بھی سورۃ جو نماز کی ہر رکعت میں دن کے پانچ (۵) وقتوں میں دہرائی جاتی ہے اسی کو سمجھتے تھے کہ قرآن کا جز نہیں ہے کچھ اسی قسم کا مغالطہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ صحابی کی طرف اسی روایت کے متعلق ہوا جس میں یہ ہے کہ ان کے قرآنی نسخہ میں وہ دونوں دعائیں جو قنوت میں عموماً پڑھی جاتی ہیں لکھی ہوئی تھیں اسی بناء پر یہ غلط فہمی پھیلانے کی بھی بعضوں نے کوشش کی کہ ان دعائوں کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قرآن کے اندر داخل سمجھتے تھے یعنی جیسے دوسری قرآنی سورتیں ہیں اسی طرح دوسری قرآن کی یہ دونوں دعائیں بھی ہیں۔

میں نے چچتا ہوں، آج بھی تو قرآن کے آخر میں مختلف قسم کی دعائیں خصوصاً ختم قرآن کی دعا، عموماً لکھی ہوئی رہتی ہے کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ دعائیں قرآن میں شریک ہیں۔ اگر روایت صحیح بھی ہو تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ ابیت کی وجہ سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے قرآن کے آخر میں ان دونوں مسنونہ دعائوں کو لکھ لیا ہوگا اور صحیح تو یہ ہے کہ روایت ہی بے سرو پا ہے میں نے بھی اس کا ذکر صرف تکمیل مضمون کے لئے کر دیا ورنہ یہ روایت تو اس قابل بھی نہیں تھی کہ کسی تنقید میں مقامہ میں جگہ دی جائے۔

ایک: ملی بحث اور حاتم:

سوال: حیدر نے اپنی کتاب کو جن مباحث پر ختم کیا ہے، ان کا خلاصہ یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

معتقد یہ ہے کہ قرآن تو خیر خدا کی کتاب ہے، مگر، سمجھتے ہیں کہ انسانوں کی تصنیف کردہ کتابوں مثلاً: حدیث کی کتابوں کو سمجھتے، ان میں کوئی دوسری کتاب ان کے پر جاننے والوں کو کبھی نہیں دیکھا کہ بڑھنے سے پہلے وہ اس کی توجہ میں آئے ہوں کہ مصنف نے کتاب کے اس باب کو پہلے لکھا، اور اس کو بعد میں یا ماباب کی نسلوں کی عبارتوں میں اس عبارت کی زیادہ سے پہلے بتا دی اور اس بعد میں بعد میں قائل ہوئے ہیں کہ مصنف کی طرف سے کتاب پر جاننے والوں کے سامنے جس شکل میں پیش ہوئی ہے وہی آخری شکل کو کتاب کی واقعی شکل قرار دے کر لوگ بڑھ کر حنا شرمیل کر دیتے ہیں۔

اسی عام دستور کے مطابق حاتم ہے کہ قرآن کی بھی واقعی شکل اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس حال میں پیش کرنے والے نے دنیا کے حاتم قرآن کو کیا جس کی قرآن کی اصلی شکل ہے، یہی سمجھ بھی کیا، ابتداء سے اس وقت تک وہی شکل میں قرآن تسلیم اسل سے منتقل ہونا ہوا چاہے یہاں پہنچے یہ ایک منع کلی ہوتی بات ہے، لیکن خود ان سے یہ رہا ہے کہ مشرقین نے اپنا قرآن کے متعلق ایک خاص غلطی کی طرف توجہ کیا یعنی اس کتاب کی ہر سورہ کی ہر عبارت کا ہر فقرہ کب نازل ہوا، اس کا پتہ چلا، جو یہی ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن کی صحیح ترتیب شکل وہی ہو سکتی ہے جو نزولی ترتیب کی روشنی میں قائم کی جائے۔ مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا تصنیفی کا روپا کرانے والوں عام قاعدہ ہے کہ اپنی تصنیف کو آخری

شکل میں مرتب کرنے سے پہلے متفرق قسم کی یادداشتوں میں مواد اکٹھا کرتے رہتے ہیں اور بعد کو ان کی یادداشتوں کی مدد سے آہستہ آہستہ اپنی کتاب کو مکمل کرتے ہیں بلکہ یہ اوقات یہ بھی کیا جاتا ہے کہ کتاب کے جس حصہ کے متعلق وہ لکھ چکے ہیں، وہ حصہ ہر چہ ہے تو پہلے اسی حصہ کو لکھ لیتے ہیں پھر دوسری باتوں کے لحاظ سے بتدریج یہ نام مرتب ہوتا جاتا ہے۔ جب آخری شکل میں کتاب کو مرتب کر کے دنیا کے سامنے منظر ہے کہ مصنفین اپنی کتاب پیش کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہی آخری شکل اس کتاب کی اصلی اور واقعی شکل قرار دینی ہے اور کسی کے دل میں اس کا خطرہ بھی نہیں ہوتا کہ حنفی کو کون کون مائل سے اپنی تصنیف کے ان جدوجہد میں گزرنا پڑا، اس کا پتہ چلائے اور اس سلسلہ میں مصنف کی پرانی غامض اور گھٹناتوں کو نوٹ لے لیں جن میں اس کی یادداشتیں رکھی جاتی تھیں اور کافہ سیاسی وغیرہ کی کتاب اور تازی کو دیکھ دیجئے کہ فیصلہ کرے کہ ان یادداشتوں میں تاریخی طور پر کون تو مقدم اور کون تو موخر قرار دیا جائے یہ کہ مصنف نے اپنی کتاب کے کسی حصے پہلے لکھا یا دوسرے حصہ کی تکمیل بعد کو کی۔ یا غرض "تفسیر ساری سر بحر" کی ان غیر ضروری تفسیروں میں کوئی خواہ مخواہ بنا بھی ہو تو ایک قسم کے غیر ضروری چیز کے حوالہ سے کہ سمجھا جاسکتا ہے تاہم ان کی تصنیفات کے متعلق سرافرسانی کی اس غیر ضروری مہم کا منہ نہ کچھ فائدہ ہوگی جو۔ فریب آدمی زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف حالات سے گزرتا رہتا ہے۔ کبھی اشراۃ قلب، نیراط و نشاد کی عانت میں رہتا ہے کبھی انتہائی اذیت و دماغی میں مبتلا ہوتا ہے یہ اور اسی قسم کے دوسرے نفسیاتی کیفیت و اثر جیسے زندگی کے تمام شعبوں پر پڑتا ہے۔ انہماک نے تصنیف کا روبرو بھی اس سے متاثر ہوں تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے اور کچھ نہیں تو یہی کیا کہ ہے کہ کتاب کے اس حصہ کو نشاد و اذیت کی حالت میں مصنف نے لکھا

ہے اور کن حصوں کی تکمیل افتہاض و کثافت دماغی کے زمانے میں ہوئی، اس نزل سے اسی کا یہ چل جائے۔ مگر اللہ میاں کے متعلق تو حراستی اور رمانی آثار چہ عاؤ کی اس کیفیت کی منجائش نہیں۔

مگر عجیب بات ہے۔ غیر تو غیر خود مسلمانوں کا ایک جتہ جو قرآن بوحدا کی ترتیب ماننا ہے اور کچھ دنوں سے اس لائسنسی، غیر ضروری مشغے میں یورپ کے مشرقی نمایاں پوریوں کے افواہی اشاروں سے الجھ گیا ہے تو بھی سی میں الجھا ہوا ہے اور چاہتا ہے کہ جس مسئلہ کا مسلمانوں کے دل پر کسی زمانہ میں کبھی کسی قسم کا کوئی خطرہ بھی نہیں گزرا تھا اسی مسئلہ میں الجھا دے۔ جڑھنے ہوئے ہمیشہ تو یہاں تک پہنچ کر کہتے ہیں کہ قرآن کا مطلب ہی مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک کہ وجوہ ترتیب کو اہمیت نہ دے کر نزولی ترتیب پر قرآن کو مرتب کر کے نہ پڑھا جائے۔ بقول مولانا گیلانی پادریوں کی بات تو کچھ سمجھ میں بھی آتی ہے کیونکہ وہ قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہنی افکار و خیالات کا العیاذ باللہ مجموعہ سمجھتے ہیں اس لیے نزولی ترتیب کے پتہ چلانے کا فائدہ یہ بتاتے ہیں کہ اس ذریعہ سے ہم ایک ذریعہ دست و دماغ کی ترتیب، ایک پاکیزہ روان کی کمزوری و توانائی اور ایک بڑے انسان کی ناکزیریں رنگیں کو دیکھنے لگتے ہیں۔ (۱) لیکن خیال تو سمجھئے کہ ایک مسلمان بے چارہ جو قرآن کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں بلکہ خالق کائنات کی براہ راست کتاب یقین کر رہا ہے کیا اس نزولی ترتیب کی جستجو کی حقائق میں پادریوں کے بعد اللہ میاں کی پاکیزہ روح کی "کمزوریوں اور ناکزیریں رنگیں" کا تشاؤ دیکھنا چاہتا ہے؟ یا نزولی ترتیب کی جستجو کی

(۱) لیکن پس خطبات اعاذیت رسول ص: ۱۰

دعوت دینے والے پیدا کرنے والے مالک کی ان ہی اندہی ہوئی حرکات کا ترشہ خود بھی اور مسلمانوں کو بھی دکھانا چاہتے ہیں؟

میں نے جیب حرض کیا، انسانی تصنیفوں کے متعلق بھی جب اس قسم کی کرپڑیوں کا لہجہ لیا وہ غروں میں پیدا نہیں ہوتا تو الہیاذ باللہ حق سبحانہ تعالیٰ کی کتاب کے متعلق اس سوال نے اٹھانے کے فتنے کی کیا ہو سکتے ہیں؟ اور کوئی یہ ہے بھی تو میں نہیں سمجھتا کہ انسانی تصانیف کے متعلق بھی ان باتوں کا پتہ چلانا آسان ہے مصنف کو اپنی اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں کن مرحلوں سے گزرنا پڑا، یادداشتوں میں کون سی یادداشتیں پہلے نوٹ ہونی اور کونسی بعد میں یا کتاب کا کونسا حصہ پہلے لکھا ہوا اور کون سا بعد میں قرآن کے ساتھ مسلمانوں کی غیر معمولی اذیتوں سے جہاں بہت سی عجیب و غریب چیزیں قرآن کے متعلق پیدا ہو گئی ہیں، مثلاً اس کتاب کے ایک ایک حرف اور حرف کے عربی یعنی ذریعہ و زبر، پیش سب ہی کو کتاب کا کام سمجھ کر لکھ لیا گیا ہے اور جو کچھ اس طے میں تیرہ سو برس کی طویل مدت میں مسلمان کرتے چلے آئے ہیں ایک مستقل کتاب کا دو مضمون ہے۔ غیر معمولی دلچسپیوں کے اسی ذیل میں تمام کتابوں کے مقابلہ میں صرف قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے کُل پر نہیں لیکن معقول اور معتد بہ حصے کے متعلق مسلمانوں میں ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں جن سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب کی کون سی سورہ کس مقام میں آئی یعنی مد میں یا مدینہ میں، اسی طرح انہی روایتوں میں اس کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے کہ فلاں آیت یا آیتوں کا مجموعہ فلاں مشہور واقعہ کے وقت اتر اشراف نزول کی اصطلاح ان ہی معلومات کے متعلق مسلمانوں میں مروثا ہے۔

بہر حال اتنی بات درست ہے کہ ان روایتوں کی مدد سے سورتوں کی کافی تعداد

کے متعلق اس کا پتہ چلا لیا گیا ہے کہ وہ مکہ میں اُتری تھیں یا مدینہ میں اور تھوڑی بہت آنکھوں کے متعلق بھی کوئی چاہے تو اس قسم کی معنومات فراہم کر سکتا ہے لیکن ان مادی معلومات کے بعد بھی مسلمانوں نے نہیں بلکہ یورپ کے ان ہی پادریوں نے جو آج کل استشرقیت کے نقاب چہروں پر پردہ ڈال کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ بجائے دینی اور مذہبی مصیبت کے ان کے کاروبار کا تعلق صرف علمی تحقیقات سے ہے ان ہی مستشرقین کا یہی جتہ دوڑھائی سو سال کی کدو کاوش کے بعد اس نتیجہ تک پہنچا ہے کہ:-

”صحیح ترتیب نزول کا معلوم کرنا ناممکن ہے۔۔“ (نولڈ کی)

ہرش فیلڈ جو اسی فیلڈ کا مشہور سپاہی ہے اس بے چارے کو بھی اسی اعتراف پر مجبور ہونا پڑا کہ:-

”میں پہلے ہی سے اس کا اقرار کیوں نہ کر لوں کہ اس سلسلہ میں (نزولی ترتیب کی جاسوسی میں) قابل اعتماد نتائج حاصل کرنے کی بہت ہی کم امید ہے۔“
(یہ فقرے پروفیسر اجمیل کی کتاب سے لیے گئے ہیں جو اسی سلسلہ پر انہوں نے لکھی ہے)

اور یہ حال تو اس وقت ہے جب قرآن کی موجودہ متواتر قطعی سلسلہ ترتیب میں ترمیم کی اجازت ان روایتوں کی بنیاد پر دیدی جائے جو شان نزول کے سلسلہ میں ہماری کتابوں کے اندر پائی جاتی ہیں لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ روایات کا جو ذخیرہ ہمارے یہاں پایا جاتا ہے اس ذخیرے میں سب سے زیادہ کمزور اور حد سے زیادہ ضعیف ان روایتوں کی خصوصیت ہے جن کا تعلق قرآن کی تفسیر وغیرہ سے ہے، امام احمد بن حنبل کا تو اس سلسلہ میں یہ مشہور قول ہے کہ ”فلا تلج لبس لها اصل التفسیر والملاحم

والحملاؤی۔" (۱) یعنی روایات کا جو ذخیرہ حدیث کی کتابوں میں پایا جاتا ہے اس میں ایسی روایتیں جن کا تعلق تفسیر یا علم (اسنہ و پیش آنے والی جنگوں کی پیش گوئیاں) یا مغازی (عہد نبوت کی جنگی مہموں کے قصے) یا اسرار احمد لکھتے تھے ان میں قسم کی روایتوں کی کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے۔ سیوطی نے اس قول پر تنہید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب کو بے اصل قرار دیا تو مشکل ہے لیکن اسی کے ساتھ اس کا اعتراف خود سیوطی نے بھی کیا ہے کہ قابل اعتماد روایتیں تفسیر کے سلسلہ میں "قلیل جدا" اور یہ "طی غایۃ القلۃ" (۲)

محدثین کا اس پر اتفاق ہے، تو اثر و قدارت کے خیر تاہاں کی روشنی میں مذہبات میں اختلاف ہی میں پوچھتا ہوں کہ جتنو کے دم کی روشنی سے کیا مغلوب ہو سکتی ہے جن چیزوں کو آفتاب کی روشنی میں ہم دیکھ رہے ہیں اور جو معلومات اس روشنی میں حاصل ہوئی ہیں، کیا ان معلومات میں ترمیم کی جسارت ہو چیزوں کی مدد سے کوئی کر سکتا ہے جن پر گہبائے صبری رات میں جگنوؤں کی دم کی روشنی میں اتفاق کسی کی نظر پر پڑ گئی یقین کیجئے کہ قرآن کی موجودہ مرتبہ شکل کے متعلق ہمارے علم کی عقلی کیفیت، نزولی روایات کے مقابلہ میں کیا بلکہ اس سے بھی کمزور ہے۔ (۳)

(۱) اتفاق جلد ۳: ص ۱۸۰

(۲) جلال الدین سیوطی کے اصل الفاظ یہ ہیں: "قلت الذی صح من ذلک للیل جدا علی اصل السراوع منه فی غایۃ القلۃ"۔ (اتفاق جلد ۳: ص ۱۷۹)

(۳) نزولی روایات کی حیثیت اور منہ ان کا دوسری اسلامی روایات کے مقابلہ میں کیا درجہ ہے ایک مستشرق مضمون ہے۔ سب سے پہلا سلسلہ اس سلسلہ کا یہ ہے کہ کسی وقت یا آجوں کے کسی مجموعہ کے متعلق "صحابی" یا تابعی نسب یہ کیجئے جس کو ظاہر سلسلہ میں ذیل ہوئی یعنی "نسول فی کذا" کہتے ہیں تو اس کا ذیل مطلب کیا ہوا ہے؟ شیخ امام ابن عیینہ علامہ درر کئی صاحب "البرہان"۔ (معرفت جاری ہے)

= شاہ ولی صاحب اور دوسرے کا ہر نسخہ اسلام نے تصریح کی ہے کہ جس معاملہ میں یا جس واقعہ پر قرآن کی وہ آیت صادق آتی ہے تو اس کے متعلق تعبیر کا یہ ایک طریقہ تھا یعنی یہ آیت فلاں چیز پر صادق آتی ہے اسی مفہوم کو "نزل فی کذا" کے الفاظ سے لوگ ادا کرتے تھے۔

قیامت تک پیش آنے والے واقعات پر قرآنی آیتیں عموماً صادق آتی ہیں اس لیے ہم ہر زمانے میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت فلاں معاملہ یا واقعہ یا مسئلہ کے متعلق نازل ہوئی لیکن اس کا یہ مطلب کہ واقعہ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی کیجئے ہوگا۔ کچھ انتہا (نوع: ۹، ج: ۱ ص: ۳۱) شاہ ولی اللہ نے "الفسوز الکبیر" (۱) میں بھی لکھی لکھا ہے "ابن جریر اور زکشی (۲) کے اقوال اتفاق میں ہیں۔ علامہ اس کے کون نہیں جانتا کہ نزولی روایات سے بخاری و مسلم جگہ صحیح سنہ کی اکثر نسخہ میں خالی ہیں، دوسرے جگہ زیادہ تر تیسرے درجہ کی کتابوں میں یہ روایتیں ملتی ہیں اور اس پر بھی حال ان روایاتوں کا یہ ہے کہ ایک ایک آیت کے متعلق شریعت نزول کی روایاتوں میں متحدہ واقعے بیان کیے گئے ہیں ان روایاتوں کی کیا حالت ہے ان کا سرسری اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ فوراً تو اور یہ مسئلہ کہ سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت تک کے متعلق ایک سے زائد روایتیں پائی جاتی ہیں عام طور پر قرآن کے متعلق مشہور ہے لیکن نزولی روایات کے ذخیرہ میں دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ بعض لوگ سورہ فتح کو بعض لوگ سورہ الفلق کو سب سے پہلی نازل ہونے والی سورہ قرار دیتے ہیں اسی طرح کہاں نازل ہوئی؟ اس سوال کے جواب میں آپ کو سورہ فاتحہ تک کے متعلق معلوم ہوگا کہ بجائے کہ کے کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی اور یہ تو عام بات ہے کہ ایک ہی آیت کے متعلق پانچ پانچ چھ چھ شان نزول تک مروی ہے۔ ابن تیم نے محدثین کے اسی طرز عمل پر کہ ان ہی نزولی روایاتوں کی وجہ سے کہہ رہے ہیں کہ فلاں آیت پانچ دفعہ مثلاً نازل ہوئی سخت تنبیہ کی ہے۔ ۱۰۔ (مناظر حسن گیلانی)

(۱) ملاحظہ ہو "الغزالیہ" ص: ۷۰۔ عبد الحلیم

(۲) علامہ زکشی کی کتاب "المربیان" ص: ۱۱۱ ہے جو جلال الدین سیوطی کے پیش نظر ہے۔ ملاحظہ ہو "المربیان فی علوم القرآن" (ج: ۱ ص: ۳۳) عبد الحلیم

نزولی ترتیب کا ایک تاریخی لطیفہ:

اسی نزولی ترتیب کے متعلق ایک دلچسپ لطیفہ وہ بھی ہے جسے منسوب کرنے والوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کر کے کچھ اس طرح اسے مشہور کر دیا ہے کہ عوام میں گویا یہ مان لیا گیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نزولی ترتیب پر قرآن مرتب کر کے ایک نسخہ اللہ میں تیار کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس نزولی ترتیب کا مطلب اگر صرف یہی ہے کہ جلد بندی میں سورتوں کی یعنی ان قرآنی رسالوں کی جو ترتیب اس وقت پائی جاتی ہے یعنی پہلے سورہ فاتحہ پھر البقرہ پھر آل عمران سے آخر الزمر تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نسخہ میں سورتوں کی ترتیب یہ تھی تو میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ اس میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کسی ایک مصنف کی چند کتابوں مثلاً سعدی کی نکلتوں و بوستاں کی جلد بندی میں آپ خواہ بوستاں کو پہلے رکھ دیا جائے یا گلستاں کو ان دونوں کتابوں کے مضامین پر کوئی اثر اس کا نہیں پڑتا اور ابھی آپ کو معلوم ہوگا کہ بعض دوسرے صحابہ کے قرآنی نسخوں کے متعلق کتابوں میں لکھا ہے کہ ان میں بھی سورتوں کی ترتیب وہ تھی جو اس وقت پائی جاتی ہے۔

لیکن اس نزولی ترتیب کا مطلب اگر یہ ہے کہ ہر ہر سورہ میں آیتوں کے اندر جو ترتیب اس وقت پائی جاتی ہے، حضرت علی والے مرتبہ نسخے میں بجائے اس ترتیب کے کوئی اور ترتیب آیتوں میں دی گئی تھی تو اس کا مطلب اور نتیجہ کیا ہو سکتا ہے؟ اس کی دلچسپ داستان تو ابھی آپ کو معلوم ہوگی لیکن چونکہ حضرت علی کی طرف اس روایت کو منسوب کر کے مختلف قسم کی غلطیاں پھیلانے والے پھیلا رہے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود

اس روایت کی جو واقعی حیثیت اور کیفیت ہے پہلے اس سے مسندوں کو مطلع کر دیا جائے۔
 بقول مولانا لکھنوی: "مگر صرف یہ ہے کہ روایات اور حدیثوں کی موجودہ عام
 کتابوں مثلاً بخاری و مسلم و ابن کثیر و صحیح کی جو دوسری کتابیں ہیں ان میں سے کسی
 کتاب میں یہ روایت نہیں پائی جاتی۔ حدیث کی ان کتابوں میں ہی نہیں بلکہ جن کتابوں کو
 حدیث کی کتابیں کہتے ہیں خواہ سند ان کا مقام کتنا ہی اہم ہو وہ ان میں بھی یہ روایت نہیں
 ملتی۔ چند غیر معروف کتابیں جن کا ذکر یہودی نے "اتقان" (ج ۱ ص ۵۷) میں کیا ہے ان
 کے سوا سند کے ساتھ صرف ابن کثیر و ابن کثیر و ابن کثیر (ج ۲ ص ۲۸۰) میں اس
 وقت تک مجھے یہ روایت ملی ہے۔ کثیر و ابن کثیر (ج ۲ ص ۵۲) میں بھی اس روایت کو نقل
 کر کے صرف ابن کثیر کا حوالہ دیا ہے۔ اس میں بھی کچھ نہیں ہے۔ یہ کو صواب کثیر و ابن کثیر
 بلکہ جلال مدین سیوطی نے دھب و یا اس روایتوں کی محیط (انسائیکلو پیڈیا) جب تیار کرنی
 چاہی تو ان دونوں بزرگوں کو بھی غائب ابن سعد کے طبقات کے سوا کسی لیکن کتاب میں پراثر
 نہیں ملا۔ اس لئے وہ لائق ذکر خیال کرتے رہے۔ جہاں ابن سعد نے جن احادیث میں اس روایت کو
 درج کیا ہے ان کو پڑھ لیجئے جو یہ ہیں:-

"عن محمد قال فبنت ابن عبد بنطاع عریضة ابی بکر فلقبه

ابوبکر فقال اكرهت امرتني فقال لا ولكني البت يسبين ان لا ارندى

بردائي الا الى الصلابة حتى اجمع القرآن."

ترجمہ: "محمد (ابن سیرین) سے یہ روایت ہے کہ وہ کہتے تھے مجھے یہ اخلاق دینی

ملتی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے جب حضرت ابوطرہ رضی اللہ عنہ کی

بیعت میں کچھ خیر ہوئی تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

طے اور پوچھا کہ میری امارت (یعنی خلافت) کو تم نے ناپسند کیا۔ اس پر حضرت علی نے فرمایا کہ نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے یہ قسم کھائی تھی کہ نماز کے سوا اپنی چادر (جسے دزد کر باہر نکلے تھے اے) نہ ادا کروں گا جب تک کہ قرآن کو جمع نہ کروں۔“

اصل روایت تو اسی پر ختم ہوتی ہے، آگے محمد بنی ابن ابی شیبہ نے "خرمیں اتنا اضافہ اور کیا کہ نہ۔

"فزعوا اہم کتبہ علی تنزیلہ" (ابن ماجہ، ص ۳۳۸)

ترجمہ: "لوگ خیال کرتے ہیں کہ حدیث علی نے تشریف پر اس قرآن کو نکلتا تھا۔"

نہیں یہ سارا فقرہ قرآن کی نزول ترتیب طائیفہ یسرین کے بنی النفاذ "کتابہ علی تنزیلہ" کو زیر بنا کر اٹھایا گیا۔ جس نے پہلے بھی کہا تھا کہ بعض روایتوں میں ایسے خود تراشیدہ مطالب بھرتراں سے انہوں نے نہ جان بوجھ کر لے لیے، ان میں ایک روایت یہ بھی ہے، "شہاب خود آویں نے اپنی تفسیر "روح المعانی" کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اسی روایت کو چنگاری بنا کر غنیمت کی آگ جن لوگوں نے پھلتی ان میں سب سے زیادہ نمایاں شخصیت "ابو حیان توحیدی" کی ہے (دیکھئے مقدمہ روح المعانی، ص ۳۲، ج ۱) یہ ابو حیان توحیدی کیوں تھا اور زندگی بھر کیا کرتا رہا اس کا قصہ نامعلوم میں پڑ جیے۔ (۱)

(۱) ابویاں توحیدی کے نام حالات: مان امیر ان میں حافظہ بن حجاز نے بھی لیاں کی ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ چنگیزی صمدی کا آدمی ہے، اسی عہد کے دانشور، وزیر صاحب بن حجاز اور ابن حمید کے دربار میں تھا۔ علم اور تامل کا ذریعہ ان بنی دور کے دربار میں نہیں کہہ سکتے، چاہا جیسے کہ ان بنیامان ہے اس مقدمہ میں جو سبیل کی کوئی نہ بول سکتے، ان کو ہر حرم: چاہے باطل انتہاؤں میں نہ جہاد داد ہے بد معاشی کا پھل دیاں بھی نشا خمیزی کے عجیبی مشغلہ میں مصروف ہو گئے۔ نہ ان کو علم تھا (جاری ہے)

بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سورتوں کی ترتیب کا ذکر اگر بس روایت میں ہے اور روایت کے جو الفاظ ہیں ان میں یقیناً اس کی بھی گنجائش ہے تو اس وقت تو خیر کوئی ہمت ہی نہیں ہے۔ اب بھی مسلمان بچوں کے ہر جانے کے لیے ”غٹم“ کے پارے کی سورتوں کی ترتیب بدل دیتے ہیں۔ یعنی پہلے ”الناس“ پھر ”الفلق“ اور آخر میں سورہ ”غٹم“ اور فلاسفہ کا ادب اور ادیبوں کا فلسفی تھا۔ مقامات حریری کے سرورانی کا پارٹ اور کیا کرتا تھا انی لیے بعض لوگوں نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ صوفیوں کا شیخ، فلاسفہ کا ادب اور ادیبوں کا فلسفی تھا۔ یعنی فلسفہ والوں کے سامنے، ادب جاتا تھا اور ادیبوں کے سامنے فلسفی اور جیسے ابن راوندی رائے پر مسلمانوں کے مختلف فرقوں کی طرف سے کتا ہیں لکھا کر کا تھا، بظاہر معلوم ہوا ہے کہ کئی چیز تک آکر وہ فیسوف الادب اور ادب فلاسفہ نے اختیار نہ کیا تھا۔ جعلی کتابوں کے بنانے میں کمال تھا، لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر کے نام سے ایک طویل خط وہ نے تصنیف کیا اور ظاہر یہ کہ حضرت علی نے ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے جب انکار کیا تو دونوں ابو بکر و عمر نے اس کو یہ خط حضرت علی کو لکھا تھا۔ اس خط میں نہیں تو خواتین کی باتیں تھیں اور نہیں، مسکایا حضرت علی، وہ کتنی تھیں، القرض، جس جعلی خط کو لکھ کر مسلمانوں میں اس نے پھیلا دیا جب نقد زیادہ نہ تھا تو بعض لوگوں نے اس سے دریاخت کیا، ایک دن روز کھول دیا کہ شیعوں کے خلاف غور اہل میں نے یہ جتنی خط بنایا ہے، حالانکہ شیعوں سے زیادہ اس میں شیعوں کے خلاف مواد تھا، ایسی باتیں ابو بکر و عمر کی طرف منسوب کی گئی تھیں جو کئی مسموم مسلمان کی طرف بھی کار بردی کے سلسلہ میں منسوب نہیں ہو سکتیں۔ اس سلسلے میں ابن حضرت کے اور کارڈ سے بھی ہیں۔ اسی بناء پر علماء حق نے اس کے متعلق اس فیصلہ کا اپنی کتابوں میں اعلان کیا کہ یہ جڑا جھوٹا منتری رہن سے طلسم، طمانیہ بیہودہ کو اس کرنے والا اور جن باتوں سے دینی نظام پر زبردستی حوں کے پھیلائے میں کمال رکھتا تھا۔ حافظ ابن حجر نے ابن ابی کی کتاب ”المعربہ“ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ ”ابن جوزی نے بھی لکھا ہے کہ“ ”ابو حیان زہدین تھا، اس کی انجیل عبارتوں مانی جہ سے کہیں وزیر نے اس کو جلا وطن کر دیا تھا۔ اصفی نام علی بن محمد تھا، لکھا ہے کہ اب مرے لکھا تو اس کے شاگرد جو بہتر حالہ کے ارڈر جمع تھے اور اس کی زندگی کی خصوصیتوں سے واقف تھے، گھبرا کر بے چاروں نے اللہ اللہ کی تلقین شروع کر دی اور توبہ (جاری ہے)

بِضَائِلُو" ان پاروں میں چھاپی جاتی ہے۔

چونکہ ہر سورۃ اپنی مستقل حیثیت رکھتی ہے اس لیے ترتیب کی اس تہذیبی کا نوئی اثر معالیٰ و مطالب پر نہیں پڑتا، اور مقصد اگر سورتوں کی آیتوں کی اُمت بھیر کا ہے، غالباً فقہ پر، ازوں کی مذہبی حیثیت بھی یہی ہے، اور نہ سورتوں کی نزولی ترتیب کے مسئلہ کو اتنی اہمیت کیوں دیتے تو قطع نظر اس سے کہ بجائے سورتوں کے یہ دعویٰ کرنے والوں کے ذمہ ہے اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس دعوے کے ثبوت کے لیے دو کوئی تخریہ پیش نہیں کر سکتے مگر بہر حال مان لیا جائے کہ ان الفاظ کا دعویٰ مطلب ہے جو خود خواہ بلا وجہ ذہنی برکتی ان الفاظ سے نکالنا چاہتے ہیں تو اب آئیے اور دیکھیں کہ سند اسی روایت کا کیا حال ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ حمہ یعنی ابن سیرین روایت کی ابتداء کرتے ہوئے "ابن" غلط بولتے ہیں، یعنی کہتے ہیں کہ مجھے اطلاع دی گئی لیکن کسی نے اطلاع دی اس اطلاع دینے والے کا نام نہیں بتاتے، لیکنے ماویٰ بھول ہو گیا، اور ایسی روایت جس کے راوی کا حال تو حال نام تک معلوم نہ ہو، خود

= استفادہ کے لیے اس کو جابت کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ ابو حیان نے انہیں بھوئیں، اور مراغہ کر ہوا کہ کیا کسی کوئی پانسی یا پانسی کے پاس جا رہا ہوں، پھر کہا "دب غلبہ" کے دربار میں حاضر ہو رہا ہوں۔ اسی آخری فقرے پر دم ٹکڑیا۔ خدا کی جانتا ہے کہ اس کا اہتمام کیا ہو؟ دراصل اس کے مزاج میں شوخی اور کشتائی تھی۔ اب سے محمد بن غنم۔ صہ جب بن عباد اور اب الحمید کے دربار میں جب توقعات رکھتا تھا تو لوگوں نے بیان کیا کہ اس کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہوئے تک اس نے لکھ مارا کہ یہ دونوں اگر نبوت کا دعویٰ کر نہیں تو ان پر ہی نازل ہونے لگے اور شریعت ہی ہو جائے مسلمانوں کے دینا اختلافات کا خاتمہ ہو جائے۔ متحدہ پہلی حدیثوں کے مشہور کرنے میں اس نے خاصی شہرت حاصل کی، جن میں حضرت علیؓ والی پر رایت بھی ہے یعنی قرآن کی نزولی ترتیب کی وجہ سے بیعت سے رکے رہے۔ (دیکھو سلمان المخر ان رج: ۷، ص ۶۱۳) مؤرخ ابن عساکر نے

سوچے کہ اس کی قیمت کیا باقی رہی، یہ حال تو اصل روایت کا ہے، پھر روایت کو ختم کر کے مزید اضافہ فرمیں ابنِ سیرین نے اپنی طرف سے جو کیا ہے اور اسی اضافہ میں ترتیب کی تبدیلی کا ذکر ہے۔ اس اضافہ کو بھی ”ذعموا“ کے لفظ سے ادا کرتے ہیں جس کا عام ترجمہ اردو میں یہ کیا جاسکتا ہے۔ یعنی ”خیال کرتے ہیں“ یہی بات تو یہ ہے کہ یہ خیال کرنے والے کون لوگ ہیں؟ ابنِ سیرین یہ بھی نہیں بتاتے، جس سے پتہ چل سکتا تھا کہ وہ کس قسم کے لوگ تھے، نیز ”ذعموا“ کا لفظ عربی زبان کے لفظ ”ذعم“ سے بنا ہے، ”ذعم“ کا یہ لفظ ہماری خود اپنے اندر حد سے زیادہ کمزوری کو چھپانے ہوئے ہے۔ بعض بزرگوں کے متعلق لکھا ہے کہ اپنے لڑکوں سے انہوں نے کہا تھا کہ ”ذعموا“ کا لفظ مجھے بخش دو، یعنی یہ بھی استعمال نہ کرنا، حدیثوں میں بھی آیا ہے کہ جھوٹ کو چمکا کرنے کے لئے ”ذعموا“ کا لفظ بہت اچھی سواری کا کام دیتا ہے جیسے اس زور کی اخبار نویس میں ”سمجھا جاتا ہے۔“ قیاس کی جاتا ہے۔ ”معتبر حلقوں سے یہ بات پھیلی ہے۔“ یہ ایسی قسم کے فقرے دراصل جھوٹ کو آگے بڑھانے کی عصری سواریاں ہیں۔ حافظ ابنِ جریر نے انقطاع کا قصص بتاتے ہوئے اس روایت کو سنداً مسترد کر دیا ہے (انکبوتان ج: ۱، ص: ۵۷) اور خواجہ ابومان بھی لیا جائے کہ روایت کلینہ بے اصل نہیں ہے جب بھی عرض کر چکا ہوں کہ ”زودی ترتیب“ ایسی تعبیر ہے جس میں سورتوں اور آیتوں دونوں کی ترتیب کا احتمال ہے، لیکن مدعا وہ نہیں ہے کہ سبب ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ذریعہ سے یہ ثابت کریں کہ سورتوں کی ترتیب نہیں بلکہ ہر سورۃ کی آیتوں کی موجودہ ترتیب کی جگہ زودی ترتیب حضرت والا نے دی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس احتمال کے معین کرنے کی قطعاً کوئی صورت نہیں ہے علاوہ اس کے علاوہ نے لکھا ہے کہ بعض روایتوں سے جو معلوم ہوتا ہے کہ نسخ و منسوخ آیتوں کو ایک ہی جگہ مرتب کر کے

حضرت علی نے ایک کتاب لکھی تھی اور اسی کی طرف یہ اشارہ ہے تو قبولِ آئو سی پھر یہ قرآن کا نسخہ ہی کب باقی رہا، یہ تو "فما سمع ومنسوخ" کی دوسری کتابوں کی طرح ایک کتاب ہو گئی اور بیسیوں اختلافات میں، کہنا بھی ہے کہ لے دے کے اسی ایک نوٹی پھوٹی شکستہ و پرستار روایت کو بغیر دیکھ کر یقین کی اس قوت کو مشتمل کرنے کی کوشش کرنا جو قرآن کی موجودہ متواتر و متواتر ترتیب کے متعلق انسانی فطرت رکھتی ہے بجز مغالطہ بازی کے اور کیا ہے۔ (۱)

(۱) اتقان میں سیوطی نے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ بعض غیر مشہور کتابوں کا حوالہ دے کر بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے مثلاً ابنِ المبرین کی کتاب "الفصل فی" کی طرف منسوب کر کے ابنِ سیرین ہی کی اس روایت کو درج کرتے ہوئے قیادت کا اضافہ یہ کیا ہے کہ ابنِ سیرین سے مکرّمہ (مدنی ابنِ عباس) نے اس قصہ کا ذکر کیا تھا اس پر ابنِ سیرین نے مکرّمہ سے دریافت کیا کہ حضرت علی کے قرآن جمع کرنے کا مطلب کیا تھا کہ "کتاب انزل الاول فالاول" یعنی جو پہلے نازل ہوئی اس کو پہلے پھر اس کے بعد جو نازل ہوئی اس کو بعد، بالاختلاف دیگر ابنِ سیرین نے یہ سوال کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نزولِ ترتیب پر تنقید کیا تھا؟ اس روایت میں یہ ہے کہ جواب میں مکرّمہ نے کہا کہ "جن دن میں بھی اکتھے ہو کر چاہیں کہ قرآن کو اس ترتیب پر مرتب کریں تو یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے۔" مکرّمہ کے عربی الفاظ یہ ہیں۔ "لو اجتمعت الانس والجن علی ان یؤلفوه ذلک التالیف ما استطاعوا" اسی طرح ابنِ اثیر کی کتاب "المصابح" سے سیوطی نے نقل کیا ہے کہ ابنِ سیرین کہا کرتے تھے کہ حضرت علی والے مرتبہ قرآن کے متعلق حدیث کے ٹکڑے لکھا اور بہت تلاش کیا لیکن مجھ میں نہ سکا اور یہ خبر بھی اس روایت کے جعلی ہونے کی دلیل ہے۔ آخر حضرت علی کریم اللہ وجہہ کا یہ مرتبہ نسخہ اور کسی کے پاس نہ سکا خاندانِ اہل بیت میں اس کے نسخے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے بلکہ قبولِ ابنِ عمر حضرت علی رضی اللہ عنہ واپسی خلافت کے زمانہ میں پانچ (۵) سال غوربہ کی مدت ملی، چاہے تو اپنی حکومت کے ان دنوں میں اپنے مرتبہ نسخوں کو مسلمانوں میں بچھا دیتے۔

نزولی ترتیب پر قرآن کو مرتب کرنے کا نتیجہ کیا ہوگا:

ماسوا اس کے سب سے زیادہ دلچسپ مسئلہ بقول مولانا گیلانی یہ ہے کہ نزولی ترتیب کے ذمہ دراپینے والوں نے کبھی اس پر غور کیا کہ خدا نخواستہ ان ترتیب پر ہر سورۃ کی آیتوں کو مرتب کرنے کی کوشش میں اگر کوئی کامیاب ہو بھی جائے۔ جس طرح دو نازن ہوتی رہی ہیں تو تینوں میں اس تاریخی ترتیب کے پیرا کرنے کی سعی لامحالہ کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس کو سوچنے کے لیے میں آپ کی توجہ پھر ادھر ملاحظہ فرماتا چاہتا ہوں جس کا ذکر شروع مضمون میں بھی اجمالاً آچکا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآنی سورتوں کی حیثیت کسی واحد بیض کتاب کی نہیں ہے بلکہ ہر سورۃ کا موضوع اور اس کی غرض و نہایت دوسری سورہ کے مقابلے میں متغیر حیثیت رکھتی ہے علاوہ اس کے کہ تجربہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ سورتوں کے مضامین کی اسی استقلالی حیثیت کے احساس ہی کا نتیجہ مہمہ مناسبت میں یہ تھا کہ صرف دوسریں حتیٰ "سورۃ انفال اور سورۃ برأت" کے مضامین میں تھوڑا بہت وحدت کا رنگ جو پایا جاتا تھا لیکن پھر بھی دونوں کی حیثیت چونکہ بالکل ایک نہ تھی، آپ جانتے ہیں کہ امتیاز کے اسی رنگ کو باقی رکھنے کے لیے کیا کیا گیا؟ یہ جو آپ دیکھتے ہیں کہ ہر سورۃ دوسری سورۃ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کے فقرہ سے جدا کی گئی ہے لیکن ان دونوں سورتوں کے بیچ میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" نہیں ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ تو آپ نے

فرمایا کہ:-

”كَانَتْ قِصَّتُهَا شِبْهَةً بِقِصَّتِهَا فَظَنَنْتُ أَنَّهَا مِنْهَا فَقَبَضَ رَسُولُ
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَبَيِّنْ لَنَا أَنَّهَا مِنْهَا لَمَنْ أَجَلَ ذَلِكَ قُرِئَتْ
 بَيْنَهُمَا وَلَمْ أَكْتُبْ بَيْنَهُمَا“

”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“

(ابوداؤد، ج: ۱، ص: ۳۵، و نسرمذی، ج: ۵، ص: ۱۶۶، از جمع

الفوائد، ج: ۳، ص: ۱۳۵)

ترجمہ: ”یعنی دونوں سورتوں کے مضامین ملتے جلتے تھے اس لیے ہم نے خیال
 کیا کہ یہ (برأت) بھی ای میں سے ہے (یعنی انفاق ہی میں داخل ہے) اسے میں
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی مگر آپ سے یہ بات معلوم نہ ہو سکی کہ واقعی
 برأت انفاق میں سے ہے اس لیے دونوں کو ہم نے جوڑ دیا لیکن ”بِسْمِ اللَّهِ
 الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“ ان دونوں کے بیچ میں نہ لکھا۔“

آپ دیکھ رہے ہیں سورتوں کے مضامین کے مسئلہ میں صحابہ کے احساس کی اس
 غیر معمولی نزاکت کو؟ سورتوں کی وحدت اور تعدد کا مدار مضامین کی وحدت اور تعدد پر ہے۔
 صحابہ کا جو نقطہ نظر اس باب میں تھا کیا اس کے لیے اس سے زیادہ واضح شہادت کی ضرورت
 ہے، بہر حال یہ ایک اقد ہے کہ دیکھنے میں قرآن کی سورتوں کی بھی چھوٹی نظر آتی، جیسے بائبل
 کے مقابلہ میں چھوٹی، لیکن ایک مستحق جسمانی نگاہ کی بہر حال چھوٹی نہیں مالک ہے۔ یہی
 حال ہر سورتہ کا ہے۔ () اور کہا جا سکتا ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ موضوع اور

(۱) مثلاً سورہ ”فَلَمْ يَلْمُ اللَّهَ اخُذًا“ یا ”لَا تَكْفُرُوا بِالْعَصْرِ“ کی کوئی جگہ نہیں ہے جہاں سے زیادہ ان میں
 کوئی سورتہ نہیں ہے لیکن جن حقائق اور محلی سے ان میں کی ہر ایک ہر یک ہے اور نسائی (جاری ہے)

غرض وغایت کے لحاظ سے جیسے جغرافیہ کا علم طب سے اور طب کا تاریخ سے، تاریخ کا علم کیمسٹری سے اپنی الگ مستقل حیثیت رکھتا ہے، یہی اور مجسمہ یہی حال قرآن کی ہر سورہ کا دوسری سورہ کے مقابلہ میں ہے۔

اب ذرا خیال کیجئے کہ نزویٰ ترتیب پر ہر سورہ کی آیتوں کو مرتب کرنے کے معنی کیا ہوں گے۔ مذکور بالا مختلف علوم و فنون مثلاً طب، جغرافیہ، کانوی، کیمسٹری، اکانوی وغیرہ کی کتابیں جن کا مصنف فرض کیجئے ایک ہی شخص ہو، اور ان ساری کتابوں کو مجھے شروع کرنے میں نے خاص مدت میں ختم کی ہوں اب اگر وہی مصنف کی ان تمام قدیم یادداشتوں کے تلاش کرنے میں کوئی کامیاب بھی ہو جائے جنہیں مختلف علوم و فنون کی ان کتابوں کی تالیف و تصنیف کے سلسلہ میں وفاقاً مصنف جمع کر رہا اور ان کی مدد سے ہر کتب کو اس نے شکل کیا تھا۔ پھر ان تمام یادداشتوں میں تاریخی ترتیب پیدا کر کے سب کو مرتب کر کے کسی کتاب کی شکل میں کوئی اگر پیش کرے تو صورت اس کتاب کی کیا ہو جائے گی؟ اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے اگر آپ کو اس کتاب کی ابتدائی چند سطروں میں تو طب کے کچھ نسخے اور مسائل ملیں اور ان ہی کے بعد فقرہوں میں جغرافیہ کی معومات ان کے بعد کیمسٹری کے نظریات، فنی ہذا اقلیدس چوں چوں کا مرتب ہوئی، وقفہ ہو یا نہ ہو لیکن یہ کتب تو یقیناً چوں چوں کا مرتبہ لایوانی ہندیاں نہ کر رہے ہوں گے۔

بہر حال قرآن کی موجودہ تاریخی شکل تو اتر اور توریت کی تحریروں میں جکڑی ہوئی ہے ایک ایسی قطعی حقیقت کے متعلق نزویٰ ترتیب والی ایسی روایتوں کی مدد سے ترمیم پر آمادہ زندگی کے جن خاص شعبوں کے متعلق حیرت انگیز انکشافات ان سے ہوتے ہیں کسی جاننے والے سے پوچھیے کچھ نہیں تو علامہ فراہی کی تفسیر کا اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے اس کا حال کیا ہے۔ ۱۲۔

ہو جائیں گی سند کو حدیث کی صحت کے مقررہ معیار پر پورا اُترنا آسان نہیں ہے، جنہوں
 نہیں تو اور کیا ہے، انھان (ج: ۱۰۹) میں سیوطی نے طبرانی کے حوالہ سے ایک روایت
 نقل کی ہے اور یہ بھی نکلتا ہے کہ میں کی سند جید ہے، احاصل میں کا یہ ہے کہ کسی نے ابو اللہ میں
 مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ایسے آدمی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہ۔۔

”یقرء القرآن منکوساً۔“

ترجمہ ”قرآن کو لٹ کر پڑھتا ہے۔“

بظاہر اس کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں کی جو عام ترتیب ہے، بنائے
 اس ترتیب کے الٹ کر قرآن کو پڑھتا ہے، لکھا ہے کہ جواب میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے
 فرمایا کہ۔۔

”ذاک منکوس القلب۔“

ترجمہ ”وہ دماغ میں برعکس آدمی ہے۔“

بتائیں کہ اسی زمانے میں جب اس قسم کے لوگوں کو منکوس القلب کہا گیا تھا تو
 آج سورتوں ہی کی ترتیب میں تصرف و ترمیم کی جرأت کیوں کی جانے، ہم بے جا جرأت
 کے ان پھر سوں کو کیا سمجھیں یا کیا کہیں، لاکھ میں نے جیسا کہ عرض کیا سورتوں کی ترتیب کا
 مسئلہ چند منشاؤں پر بھی نہیں ہے، خود بخاری میں ہے کہ ایک عراقی ام المؤمنین عائشہ صدیقہ
 رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ ذرا اپنے قرآن مجھے دکھائیے تو
 ام المؤمنین نے فرمایا کہ کس لیے دکھاؤں۔ اس نے کہا کہ ”آپ کے قرآن کی جو ترتیب ہے
 یعنی سورتوں کی جو ترتیب ہے اسی ترتیب سے میں بھی اپنے قرآن کی سورتوں کو مرتب کر رہ
 چاہتا ہوں، ام المؤمنین نے اس وقت جواب میں فرمایا کہ۔۔

”ما یضربک ائمۃ فرائد“ (بخاری ج: ۲، ص: ۷۷۷)

ترجمہ: ”کسی طرح پدمتم کو اس سے نقصان نہ پہنچے گا۔“

میں نے پہلے بھی کہیں کہا ہے کہ بچوں کے لئے علم کا پارہ سہولت کے لئے آج بھی اس ترتیب پر نہیں بچھتا جس ترتیب پر قرآن میں یہ سورتیں ہیں اور یہ وہی بات ہے کہ ایک ہی مصنف کی چند کتابوں کو آپ جس ترتیب سے چاہیں جلد بندی کرا سکتے ہیں کتاب کے معانی و مطالب پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

پس اصل مسئلہ ہر ہر سورۃ کی آیتوں کی ترتیب کا ہے اس مسئلہ میں جیسا کہ سیوطی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اون سے آخر تک اس پر اتفاق ہے کہ آیتوں کی ترتیب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبریل علیہ السلام کے حکم سے دی ہوئی ہے اس ترتیب میں کسی قسم کی ترمیم خود قرآن کی ترمیم ہے، سیوطی کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

”ترتیب الایات فی سورھا واقع بتوقیفہ صلی اللہ علیہ وسلم

وامرہ من غیر خلاف فی ہذا بین المسلمین۔“ (اتقان، نور: ۱۸،

ج: ۱، ص: ۲۰)

ترجمہ: ”ہر ہر سورۃ میں آیتوں کی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے سے اور حکم سے دی گئی ہے اس میں مسلمانوں کے اندر کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔“

اور میری تو سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ ایسی بھی کوئی کتاب کیا کسی مصنف کی ہو سکتی ہے کہ اس کے فقرہ کو تو کسی نے بنایا ہو اور ان فقرہ کو جو ذکر عبادت کسی دوسرے نے

بیٹھی ہو۔

ایہ معلوم ہوتا ہے اور میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ عہد صدیقی میں سورتوں کی جلد بندی جس ترتیب سے کر دی گئی تھی اس کا پابند دوسروں کو نہیں کیا گیا تھا بلکہ جیسے کسی مصنف کی چند کتابوں کو جلد بندھوانے والے جس ترتیب کے ساتھ چاہتے ہیں جلد بندھوا دیتے ہیں، ابتداء میں اسی قسم کی انفرادی آزادی مسلمانوں کو جو بھی اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے بعض صحابیوں کے قرآن کی ترتیب دوسرے صحابی کے نسخے سے کچھ مختلف ہوتی تھی مثلاً غیر معیاری روایتوں میں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں "نون" کی سورہ "الذاریات" کے بعد، "الفہمہ" کی سورہ "عم یسألون" کے بعد، "النازعات" کی "سورہ الطلاق" کے بعد اور "الفجر" کی سورہ "الشحرہ" کے بعد۔ اسی طرح ابی بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ کے مصحف میں کہتے ہیں کہ "الکہف" اور "الحجرات" کی سورتیں "نون" کے بعد، "تبارک" "حجرات" کے بعد، "النازعات" "الواقعة" کے بعد، "الم نشرح" "قل ھو اللہ" کے بعد تھیں۔

لیکن عہد عثمانی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے مجدد کراہے ہوئے قرآن کی نقلیں کسوت نے مرکزی صوبوں میں تقسیم کر کے یہ حکم مسلمانوں کو جب دیا کہ سورتوں کی ترتیب میں بھی اسی کی پابندی کی جائے اور اس حکم کے بعد دوسری ترتیب سورتوں میں بھی قانوناً ممنوع قرار دی گئی تھی تو اس وقت سے یہ اختلاف بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

باقی یہ سوال کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں جس ترتیب سے سورتوں کی جلد بندی کرائی گئی تھی آیا یہ صحیح یا نہی کے واسطے سے فیصلہ کیا گیا تھا، یا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ ترتیب سورتوں میں قائم کی گئی، کوئی واضح روایت اس باب میں نہیں ملتی لیکن امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے کہ:-

”انما تلقوا القرآن علی ما کانوا یسمعونہ من النبی صلی اللہ

علیہ وسلم.“ (تفان من: ۱۲۴)

ترجمہ: ”یعنی اس وقت قرآنی سورتوں میں ترتیب اسی ترتیب کی پیروی کی گئی تھی

جس میں ترتیب سے سب سے پہلے قرآن و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے۔“

۱۔ ہمارے کہنے میں تاریخی شہادت کی تائید اس واقعہ سے ملتی ہوئی ہے کہ جس رسول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، جو پہلے علیہ اسلام کو اس سے پہلے جو رمضانؒ کا ماہ تھا اور وہ قرآنؒ آپؐ نے منایا تھا۔

یہ روایت مجددی تاریخ ایس ۳۰ کو فی ہشامؒ حجاج کی کتابوں میں پائی جاتی ہے

اس وقت تک بجز چند بیوں کے قرآن پورا ہوا ہو چکا تھا جس ترتیب سے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نکل کر منایا تھا کوئی بہت نہیں دیکھتی کہ سورتوں کی جلد بندی میں اس

طریقہ عمل کی پیروی کی ہو، جاتی ہے سورتوں کی ترتیب کا مطالعہ بھی اس لحاظ سے جو کتب امینہ

کا وثیقہ یافتہ ہے، اور خدا کا فضل ہے کہ مجدد عثمانی کے اس فرمان کے بعد جس میں

مجدد صدیقی کے مرتبہ مختلف نئی پیروی ہر مسلمان کے لیے لازم کر دی گئی۔ اس وقت تک

مسلمان مشرق و مغرب میں اول سے آخر تک ان کے پابند ہیں اب اس مسئلہ کو دیکھتے ہیں کہ

تعلیم و غیرہ کی سہولت کے لیے بھی اس قرآن سے کچھ نفع اٹھایا جاتا ہے جو ان فرمان کے

نفاذ سے پیشتر صحابہؓ میں پائی جاتی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن نے پڑھنے پڑھانے کے طے میں جو چند خدمات اور

ن کے سمجھنے سمجھائے میں تفسیر فی کلام موسیٰ کے سوا خود قرآن کے لئے نسخانے میں بھی مسلمانوں نے جان اور املازیدوں کا بھی ثبوت دیا۔ عربی خیر عینی ہر قسم کے مسلمانوں نے اپنے قرآن کا پڑھنا آسان نہ جائے اس سہلے انہوں نے جو نسخہ بھی کیا ہوتا وہ اس میں خود معمولی عیسیٰ پیدا کئے گئے، اعراب و دروز و پیش ازام تشدید وغیرہ بھی ایجاد کی گئیں حتیٰ کہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن ہر مسلمانوں نے سونے سوتی اور مختلف قسم نے جو اہل نے سنیل مخلوق سے بھی بکثرت تصاویر اور کیا کیا تاؤں کہ اس تیر و سہ سال کے عرصے میں کیا کچھ نہیں لیا۔ (۱)

تخلین مفسر اسلام سہلی لہ علیہ وسم کی وفات کے چودہ (۱۴) سال بعد مدبر و فانی

(۱) حال ہی میں میں نے ایک عرب میں پڑھا کہ نظام انشک طوی تبوتی دربار نے مشہور دربار کے پاس پڑھا میں ایک عالم نے مجھے یہ خبر دلا کہ یہ جو قرآن میں پڑھا ہے وہی قرآن ہے یہ صنعت رنگی قلم کی کہ قلم جو توفیقوں نے جو اہل اہل کمال اور سیال کر کے حاصل کیے۔ ایک سنیل طول سونے کا یہ نسخہ قرآن میں درج ہے یا دلی تو اس نے ایک سے مختلف نسخہ تو ان لوگوں نے اپنے حایر کیا تھا جو قرآن میں قرآن کا اختلاف ہے اس طرز قرآن کے اپنے نے طالعین کے معانی عام صبر پر لوگوں کو معلوم نہیں ہیں ان کے معانی تو سبز رنگ والے جو ہر قرآن میں تھا اس طرح یہ خبر ہے یاں طول سے انہوں نے یہ قرآن دروز و پیش ازام تشدید وغیرہ والے نسخے دیکھے تھے یاں کسی تاسیس جن سے مدبرین کی کہیت ظاہر ہوتی ہو یا میں کہوں ہے یاں خط و کتابت و جمہوریک و کیفیت یا تشبہ پہلی وہ میں ہم ایچہ ظاہر ہوتی صورت میں قرآن میں ہر قسم کی بشارت یہ خبر کی جسکو وہی کی ہے اس قسم کہوں کہ قرآن سے سونے کے سیال طول سے پہلے قرآن میں اختلافات لگائے تھے (تصحیح) اختلافی کی کتاب "تصریف الاداویہ" میں (ص: ۲۰) بطور حوالہ (۱) اس حدیث میں مسئلہ خود کے خبر صحت کا داراؤں کی کوئی جات ہے ایک تعلیم میں قرآن ہے۔ وکتب ہے ۱۲۔

میں قرآنی سورتوں کی اس ترتیبی نگاہ پر اتفاق و اجماع قائم ہو گیا جس سے متعلق یہ خیال کہ اس میں رد و بدل کی حیثیت سے بھی کچھ امکان ہے۔

خیال تو خیالی حقیقت یہ ہے کہ کسی زمانہ میں کسی کو کسی قسم کا خطرہ بھی اس وقت تک نہ ہوا تھا جب تک کہ نیسائی پادریوں نے "تشراتی کمان" اور "جھگڑائی انتقام" اور "سوسہ اندازیوں کی مہم شروع نہ کی تھی" لیکن:-

"يَا أَيُّهَا الْمَلَأَ إِلَّا أَنْتُمْ فَأَيُّ الْفَرِيقِ الْكَافِرُونَ" (التوبہ: ۳۴)

المصادر والمراجع

- (١) إزالة الحفاء عن خلافة النخفاء، شاه ولي الله محدث دہلوی، طبع سمنی
اکیندی، لاہور، ۱۹۷۱ء
- (۲) لائسان فی عموم القرآن، جاس الدین سیوطی، ۱۲۱۹ھ، طبع سبیل
اکیندی، لاہور، ۱۹۷۴ء
- (۳) اسد الغابۃ، ابن الاثیر، مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیۃ، بیروت
(۴) اعجاز القرآن
- (۵) البرہان فی عموم القرآن، بدر الدین زکریا، دار احیاء الکتب العربیۃ، بیروت
الیاثی، طبع، ۱۹۵۷ء
- (۶) التوائیب الاداریۃ، عبدالحی ستالی، دار احیاء التراث العربی، بیروت
- (۷) تفسیر درمنثور، جاس الدین سیوطی، طبع، دار الفکر، ۱۹۹۳ء
- (۸) تاریخ طبری، محمد بن جریر طبری، اتونی، ۱۳۱۰ھ، طبع دار المعرف، مصر
۱۹۶۲ء
- (۹) التبیان فی مباحث القرآن، سید الخیر زکی

(۱۰) تفسیر فتح المنان

(۱۱) تذکرۃ الحفاظ، علامہ ابنی التوفی ۱۲۸۹ھ

(۱۲) تہذیب تاریخ دمشق، مکبر، شیخ، اردو دارالترتیب، عربی، طبع، رسم

۱۳۰۷ھ

(۱۳) تقریب التہذیب، حافظ ابن حجر عسقلانی، جمع، المعروف ۱۳۲۷ھ

(۱۴) تدوین حدیث، مولانا حسن علی خان، عربی، المیزان، اردو، رسم، ۲۰۰۰ھ

اردو انڈیشن: مکتبہ صحابہ کرام

(۱۵) جمع الفوائد، محمد بن محمد، ابن التوفی ۱۲۰۹ھ، جمع، دارالترتیب، بیروت

۱۹۹۸ھ

(۱۶) جامع الترمذی، محمد بن عیسیٰ الترمذی، التوفی ۲۷۹ھ، دار الفکر، اسلامی

بیروت، طبع، دوم، ۱۹۹۸ھ

(۱۷) حلیۃ الاولیاء، احمد بن عبد اللہ ابو نعیم، سہمی، التوفی ۳۳۰ھ، مطبعۃ المدینۃ

مصر، ۱۵۳۲ھ

(۱۸) روح المعانی، طبع، مکتبہ دارالحدیث

(۱۹) سیرت ابن ہشام، بر حاشیہ دوحی الانبیا، توفی ۵۸۹ھ

(۲۰) سنن أبی داود، ابوداؤد بن یحییٰ، سنن ابی داؤد، دارالحدیث، بیروت

۱۹۹۷ھ

(۲۱) سنن مسانی، احمد بن حنبل، التوفی ۲۴۱ھ، طبع، دار الفکر، بیروت

طبع دوم ۲۰۰۰ھ

(۲۲) من ابن ماجہ، محمد بن یزید التوتنی ۳۷۳ھ طبع: دار فیل، بیروت ۹۹۸ھ.

(۲۳) سیر اعلام النبلاء، علامہ ابن التوتنی ۳۷۳ھ طبع: مؤسسہ ترجمان القرآن، بیروت ۱۹۸۵ھ.

(۲۴) صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل البخاری طبع: ہندوستانی کتب خانہ سراجی.

(۲۵) صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری بن التوتنی ۳۷۲ھ طبع: دار المعرفہ، بیروت طبع نمبر ۲۰۰۳، تحقیق: خلیل بن شعیب.

(۲۶) صفات سن سعد، محمد بن سعد التوتنی ۳۷۰ھ، دار المعارف، بیروت ۱۹۹۵ھ.

دار الفکر، بیروت

(۲۷) العقد الفريد، شهاب الدین احمد ابن عبد ربہ، مطبوعہ: مکتبۃ علمی، بیروت ۱۹۹۳ھ.

(۲۸) فتح المنہج شرح الدرر المنی، عبد اللہ بن عبد الرحمن بن علی التوتنی ۳۵۵ھ.

شرح: ابو محمد یحییٰ العربی، طبع: دار الفکر، بیروت ۱۹۹۴ھ.

(۲۹) الصور الکبیر، قاضی ہشام الدین التوتنی ۳۷۰ھ، ترجمہ عربی از محمد

صیغہ، مشقعی، منشیع، ترجمہ محمد صالح از خان کا، خانہ تجارت کتب، بیروت ۱۹۹۰ھ.

(۳۰) نکاشف عن حقائق الشر شرح مشکوٰۃ، حسین بن محمد بن التوتنی

۳۷۳ھ طبع: دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ.

(۳۱) کتب ذکر احبار اصحاب، مضافہ: یوسف بن اسفندی التوتنی ۳۷۳ھ طبع:

بریل، لیدن ۱۹۳۱ھ.

(۳۲) غیث اور قرآن، پندت خود دلالتی.

(۳۳) لسان العیز، مضافہ: ابن حجر، تقدیمی التوتنی ۳۷۴ھ، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۳ھ.

(۳۳) لیس بول خطبات، (۱۵) بیت رسول

(۳۵) مرفاہ شرح مشکوٰۃ، ماعلی قاری فضل طبع نقابہ مکان

(۳۶) اسمعیم لسخیرس ولفاظ القرآن الکریم، محمود، عبدالباقی مکتبہ

نویہ اسلام، قم، ۱۳۵۵ھ

(۳۷) مجمع اوسط، سلیمان بن احمد طبرنی، طبع مکتبہ المعارف، ارد ۱۳۹۵ھ

توفیق محمود الطحطاوی

(۳۸) مجمع المروءۃ، نورالدین یحییٰ التتائی ۱۰۷۰ھ

(۳۹) مسندک حاکم، حاکم محمد بن عبد اللہ احیاء اور یحییٰ التتائی ۱۰۷۰ھ

دار المعرفۃ بیروت ۱۹۵۸ء

(۴۰) مسند احمد، ابی احمد بن حنبل شیعہ بنی اتتائی ۲۴۱ھ، مکتبہ ولسلای

بیروت

(۴۱) مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولفائف الاخبار،

طہری یحییٰ، مکتبہ دارالاندلس بیروت ۱۴۰۹ھ

(۴۲) مستغیب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد، علی متقی بن ساس الدین

۱۴۰۵ھ، مکتبہ الاسلامی بیروت

(۴۳) ہند، حسن کے از منہ علی کی شریعت، اقتصاد کی حالت، عبد اللہ یوسف علی

(۴۴) ہند، فلسفہ، آغا پتہ، دارالترجمہ جدید آباد